رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۲۹۶

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

فاروق
قادیان

ایڈیٹر میر قاسم علی احمدی

شرح چندہ
ہندوستان۔ سالانہ [illegible]۔ طلباء [illegible]۔ ششماہی [illegible]
غیر ممالک [illegible]
انڈیا سے باہر [illegible]

تاریخہائے اشاعت ہر انگریزی ماہ کی ۷۔۱۴۔۲۱۔۲۸

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جلد ۲۳ | قادیان دارالامان مورخہ ۱۸ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۳۸ء | نمبر ۱۱

ہمارا مذہب

(از حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ہمارا یہ اعتقاد ہے۔ کہ ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں سے بہتر اور افضل اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور تمام انسانوں سے جو گذر چکے یا آئندہ قیامت تک ہوں گے۔ افضل ہیں۔ اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس پر۔ کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت ایک موجزن دریا ہے۔ جو ہدایت کی ہر قسم کی باریکیوں سے پُر ہے۔ اور ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ جنت اور دوزخ اور قیامت اور معجزاتِ انبیاء حق ہیں۔ اور ہمارا اعتقاد ہے۔ کہ نجات صرف اسلام میں ہے۔ جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور اطاعت کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور جو کچھ اسلام کی تعلیم کے برخلاف ہے۔ ہم اس سے بیزار اور بری ہیں۔ اور جو کچھ ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم خدا سے لائے ہیں۔ اس پر ہمارا ایمان ہے۔ اگرچہ ہم اسکی حقیقت اور کُنہ کو نہ بھی جانتے ہوں۔ اور جو شخص ان عقائد کے خلاف ہماری طرف کوئی عقیدہ منسوب کرتا ہے وہ ہم پر جھوٹ بولتا اور افترا کرتا ہے۔ پس اے لوگو خدا سے ڈرو۔ اور جو بخیل ذلیل سانپ کی طرح مجھے کاٹنے کو دوڑتا اور جہالت اور نادانی سے اپنی خواہشات و ہوا نفسانی کا پیرو ہو کر میری تکفیر کرتا ہے۔ اسکی ہرگز تصدیق نہ کرو۔ خدا تعالیٰ خوب ... [illegible] محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] (التبلیغ) صفحہ ۲۸۴)

حدیث النبی
نصائح و وصایا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کہ "میری تمام جماعت جو اسجگہ حاضر ہیں۔ یا اپنے مقامات میں بود و باش رکھتے ہیں۔ اس وصیت کو توجہ سے سنیں۔ کہ وہ جو اس سلسلہ میں داخل ہو کر میرے ساتھ تعلق ارادت اور مریدی کا رکھتے ہیں۔ اس سے غرض یہ ہے۔ کہ تا وہ نیک چلنی اور نیک بختی کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ جائیں۔ اور کوئی فساد اور شرارت اور بد چلنی ان کے نزدیک نہ آسکے۔ وہ پنجوقت نماز جماعت کے پابند ہوں۔ وہ جھوٹ نہ بولیں۔ وہ کسی کو زبان سے ایذا نہ دیں۔ وہ کسی قسم کی بدکاری کے مرتکب نہ ہوں۔ اور کسی شرارت اور ظلم اور فساد اور فتنہ کا خیال بھی دل میں نہ لاویں۔ غرض ہر ایک قسم کے معاصی اور جرائم اور ناکردنی اور ناگفتنی اور تمام نفسانی جذبات اور بے جا حرکات سے مجتنب رہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے پاک دل اور بے شر اور غریب مزاج بندے ہو جائیں اور کوئی زہریلا خمیر ان کے وجود میں نہ رہے۔ گورنمنٹ برطانیہ جس کے زیر سایہ ان کے مال اور جانیں اور آبروئیں محفوظ ہیں۔ بصدق دل اس کے وفادار تابعدار رہیں۔ اور تمام انسانوں کی ہمدردی ان کا اصول ہو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈریں۔ اور اپنی زبانوں اور اپنے ہاتھوں اور اپنے دل کے خیالات کو ہر ایک ناپاک اور فساد انگیز طریقوں اور خیانتوں سے بچاویں۔ اور پنجوقتہ نماز کو نہایت التزام سے قائم رکھیں۔ اور ظلم اور تعدی اور غبن اور رشوت اور اتلاف حقوق اور بے جا طرفداری سے باز رہیں۔ اور کسی بد صحبت میں نہ بیٹھیں۔ اور اگر بعد میں ثابت ہو۔ کہ ایک شخص جو ان کے ساتھ آمد و رفت رکھتا ہے وہ خدا تعالےٰ کے احکام کا پابند نہیں ہے۔ یا اس گورنمنٹ محسنہ کا خیرخواہ نہیں ہے۔ یا حقوق عباد کی کچھ پروا نہیں رکھتا۔ اور یا ظالم طبع اور شریر مزاج اور بدچلن آدمی ہے۔ اور یا یہ کہ جس شخص سے تمہیں تعلق بیعت اور ارادت ہے۔ اسکی نسبت ناحق اور بے وجہ بدگوئی اور زبان درازی اور بدزبانی اور بہتان اور افتراء کی عادت جاری رکھ کر خدا تعالےٰ کے بندوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ تو تم پر لازم ہوگا۔ کہ اس بدی کو اپنے درمیان سے دور کرو۔ اور ایسے انسان سے پرہیز کرو۔ جو خطرناک ہے۔ اور چاہیئے۔ کہ کسی مذہب اور کسی قوم اور کسی گروہ کے آدمی کو نقصان رسانی کا ارادہ مت کرو۔ اور ہر ایک کے لئے سچے ناصح بنو۔ اور چاہیئے۔ کہ شریروں اور بدمعاشوں اور مفسدوں اور بدچلنوں کو ہرگز تمہاری مجلس میں گذر نہ ہو۔ اور نہ تمہارے مکانوں میں رہ سکیں۔ کہ وہ کسی وقت تمہاری ٹھوکر کا موجب ہوں گے۔

یہ وہ امور اور وہ شرائط ہیں۔ جو میں ابتداء سے کہتا چلا آیا ہوں۔ میری جماعت میں سے ہر ایک فرد پر لازم ہوگا۔ کہ ان تمام وصیتوں کے کاربند ہوں"۔

۲۹ مئی ۱۸۹۸ء

کلام الامام

(از خلیفۃ المسیح اول نور الدین اعظم رضی اللہ عنہ)

متقی بنو"۔ تقویٰ عظیم الشان نعمت اور فضل ہے۔ جسے ملے۔ انسان اپنی ضروریات زندگی میں کیسا بیقرار ہوتا ہے۔ خصوصاً رزق کے معاملہ میں لیکن متقی ایسی جگہ سے رزق پاتا ہے۔ کہ کسی کو تو کیا خود اس کے بھی وہم و گمان میں نہیں ہوتا۔ یرزقہ من حیث لا یحتسب پھر انسان بسا اوقات بہت قسم کی تنگیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ متقی کو ہر تنگی سے نجات دیتا ہے۔ وَمن یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً۔ انسان کی سعادت اور نجات کا انحصار علوم الٰہیہ پر ہے۔ کیونکہ جب تک کتاب اللہ کا علم ہی نہ ہو۔ وہ نیکی اور بدی اور احکام رب العالمین سے آگاہی اور اطلاع کیونکر پا سکتا ہے مگر تقویٰ ایک ایسی کلید ہے۔ کہ کتاب اللہ کے علم کے دروازے اس سے کھلتے ہیں۔ اور خود اللہ تعالےٰ متقی کا معلم ہو جاتا ہے۔ واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ۔ انسان اپنے دشمنوں سے کس قدر حیران ہوتا اور ان سے گھبراتا ہے۔ لیکن متقی کے دشمن نامراد تباہ ہو جاتے ہیں۔ ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً۔ اللہ تعالیٰ سے دوری اور بعد ساری نامرادیوں کی جڑ اور ناکامیوں کی اصل ہے۔ مگر متقی کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون۔ تقویٰ ہی ایسی چیز ہے۔ جس سے متقی انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ فان اللہ یحب المتقین تقویٰ کے باعث اللہ تعالیٰ متقی کے لئے مکتفی ہو جاتا ہے اور اس سے ولایت ملتی ہے۔ ان اللہ ولی المتقین۔ تقویٰ ہی ایسی چیز ہے۔ کہ متقی کی دعاؤں اور افعال کو قبولیت کے لائق بنا دیتا ہے۔ انما یتقبل اللہ من المتقین۔ تقویٰ نام ہے اعتقادات صحیحہ۔ اقوال صادقہ۔ اعمال صالحہ۔ علوم حقہ۔ اخلاق [illegible]

انجمن ہائے احمدیہ کے سہ سالہ انتخابات کے لئے ہدایات

ناظر صاحب اعلیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ مقامی انجمنوں کے موجودہ عہدیداروں کی میعاد ۳۰ اپریل ۳۸ء کو ختم ہو رہی ہے۔ اور اب جدید انتخاب ہونے چاہئیں۔ یہ جدید انتخابات آئندہ تین سال کے لئے یعنی یکم مئی ۳۸ء سے ۳۰ اپریل ۴۱ء کے لئے ہوں گے۔ جن کی فہرستیں ۱۵ اپریل ۳۸ء تک نظارت علیا میں بغرض منظوری پہنچ جانی چاہئیں۔ انتخابات کے متعلق مندرجہ ذیل ضروری شرائط تجویز کی گئی ہیں۔ جن کو ملحوظ رکھا جائے۔

(۱) صرف مندرجہ ذیل عہدیداران کی فہرست بغرض منظوری نظارت ہذا میں آنی چاہیئے۔ امیر جماعت۔ نائب امیر۔ پریذیڈنٹ۔ وائس پریذیڈنٹ۔ سکرٹری تبلیغ۔ سکرٹری تعلیم و تربیت۔ سکرٹری امور عامہ۔ سکرٹری امور خارجہ۔ سکرٹری مقبرہ بہشتی۔ سکرٹری مال سکرٹری تالیف و تصنیف۔ سکرٹری ضیافت آڈیٹر۔ محاسب۔ امین۔

(۲) اگر کسی جگہ نائب امیر یا وائس پریذیڈنٹ کے علاوہ مندرجہ بالا عہدیداروں کے نائبوں کی ضرورت ہو۔ تو ان کی منظوری مقامی انجمن خود دے سکتی ہے۔

(۳) محصلوں کے لئے مقامی انجمن کی منظوری کافی ہے۔ البتہ ان کے متعلق نظارت بیت المال میں اطلاعی رپورٹ آنی چاہیئے۔ تاکہ اگر کوئی نامناسب تقرر ہو۔ تو اسکی اصلاح کی جا سکے۔ اور مقامی قاضیوں اور امام الصلوٰۃ کی منظوری متعلقہ مرکزی دفاتر سے حاصل کی جائے۔ یعنی مقامی قاضیوں کی منظوری حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے بواسطہ نظارت امور عامہ اور امام الصلوٰۃ کی منظوری نظارت تعلیم و تربیت سے۔ امام الصلوٰۃ کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ یہ حق امیر یا پریذیڈنٹ کا ہے۔ پس اگر وہ خود امام بنیں تو کسی علیحدہ منظوری کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر وہ خود امام نہ بنیں۔ تو مستقل انتظام کے لئے نظارت تعلیم و تربیت کی منظوری حاصل کی جائے۔ اور عارضی انتظام کے لئے خود امیر یا پریذیڈنٹ فیصلہ کر سکتے ہیں

(۴) پریذیڈنٹ صرف ایسی جماعتوں میں منتخب کئے جائیں۔ جہاں امراء مقرر نہیں ہیں۔ اسی طرح اگر جنرل سکرٹری کے بغیر کام چل سکتا ہو۔ تو جنرل سکرٹری منتخب نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کا دوسرے سکرٹریوں کے ہوتے ہوئے کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ البتہ بڑی جماعتوں میں ضروری ہو۔ تو ہرج نہیں۔

(۵) امراء کی منظوری چونکہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے حاصل کی جاتی ہے۔ اور حضور کی منظوری حاصل کرنے کے لئے ناظر اعلیٰ کی رائے بھی حضور کی خدمت میں ساتھ ہی پیش ہوتی ہے۔ اس لئے امراء کے متعلق بھی جملہ درخواستیں دفتر ناظر اعلیٰ میں آنی چاہئیں مگر یہ درخواستیں بالکل عہدیداروں کی فہرست سے بالکل جدا کاغذ پر لکھی جائیں

(۶) امراء کے انتخاب میں مندرجہ ذیل امور خاص طور پر ملحوظ رکھے جائیں۔

(الف) ایک ہی نام تجویز کرنے کی بجائے حتی الوسع دو تین دوستوں کا نام منتخب کیا جائے۔

(ب) ہر ایک نام کے حاصل کردہ ووٹ فہرست میں بالتفصیل درج کئے جائیں

(ج) ہر ایک کا سنہ بیعت۔ دینی قابلیت عمر اور پیشہ درج کیا جائے۔

(د) جماعت کے کل افراد کی تعداد بتفصیل ذیل درج کی جائے۔

بالغ مرد ۱۸ سال سے اوپر۔ بچے ۱۸ سال سے کم۔ اور مستورات

(۷) اگر کوئی جماعت کسی ایک ہی دوست کو عہدہ امارت کے لئے منتخب کرے۔ اور کسی قسم کا اختلاف رائے نہ ہو۔ تو ایسی جماعت کو اپنی درخواست میں بالوضاحت اس امر کو بیان کر دینا چاہیئے۔ کہ یہ انتخاب بالاتفاق عمل میں آیا ہے۔

(۸) بوقت انتخاب اس بات کا خیال رکھا جائے۔ کہ ایک سے زیادہ عہدے ایک ہی شخص کے سپرد بجز خاص مجبوری کے نہ کئے جائیں۔ تاکہ کثرت کار کی وجہ سے سلسلہ کے کاموں میں کوئی حرج اور نقص واقعہ نہ ہو۔ اور زیادہ سے زیادہ دوست کام کی تربیت حاصل کر سکیں۔

(۹) اگر کسی امیر یا کسی دوسرے مقامی عہدیدار کے انتخاب کے متعلق یہ شکایت موصول ہوگی۔ اور یہ شکایت تحقیقات پر درست ثابت ہوئی۔ کہ اس میں کسی امیدوار کے حق میں پروپیگنڈا کیا گیا ہے۔ تو اس انتخاب کو بموجب ہدایت حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز مندرجہ قاعدہ ۸۶۱ کالعدم قرار دیا جائیگا۔ اور پروپیگنڈا کرنے والوں سے سختی سے باز پرس کی جائے گی۔ اور دوبارہ انتخاب کے وقت انہیں اجلاس میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۱۰) ایسی جماعتوں میں جہاں ایسے افراد کی تعداد ۲۱ یا اس سے زیادہ ہو۔ جن پر چندہ عائد ہوتا ہو۔ وہاں حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ کے فیصلہ بموقعہ مجلس مشاورت ۳۶ء مرکز سلسلہ کے کسی بقایا دار کو کسی کام پر مقرر نہیں کیا جائے گا۔

(۱۱) اگر کسی جگہ کسی عہدہ پر مجبوراً بقایا دار کو مقرر کرنا پڑے۔ تو اس عہدہ دار سے یہ عہد لیا جائیگا۔ کہ وہ اپنے بقایا کو مناسب مقررہ شرح سے باقاعدہ ادا کرتا رہے گا۔ اور اس شرح کی منظوری بواسطہ مقامی امیر یا پریذیڈنٹ نظارت بیت المال یا نظارت بہشتی مقبرہ سے جس کا وہ بقایا دار ہو۔ حاصل کرنی ضروری ہوگی۔ یا اگر وہ بقایا ادا کرنے سے بالکل معذور ہے۔ تو اپنے عذرات کو اسی واسطہ سے بالتفصیل پیش کر کے نظارت بیت المال سے یا موصی ہونے کی صورت میں نظارت بہشتی مقبرہ سے معافی حاصل کرے گا۔

(۱۲) مندرجہ ذیل اشخاص کو انتخاب کے اجلاس میں ووٹ دینے کا حق نہیں ہوگا۔

(الف) ایسا شخص جس کے ذمہ تین سال یا اس سے زیادہ عرصہ سے بغیر منظوری مرکز بقایا چلا آتا ہو۔ اور وہ اسے ادا نہ کر رہا ہو۔

(ب) مستورات۔ (ج) ۱۸ سال سے کم عمر کے بچے

(۱۳) ہر عہدہ کی اہمیت اور فرائض کے مناسب حال اس کے لئے عہدہ دار کا انتخاب ہونا چاہیئے۔ اور دوستوں کو رائے دیتے ہوئے اہلیت کے سوال کو ہر صورت میں مقدم رکھنا چاہیئے۔ محض نام کے طور پر عدیم الفرصت یا سست یا غیر مخلص یا نااہل یا کسی رنگ میں برا نمونہ رکھنے والے اشخاص کو منتخب نہیں کرنا چاہیئے۔

(۱۴) فہرست انتخاب کو مرکز میں بھجواتے ہوئے اس بات کو وضاحت سے بیان کرنا چاہیئے۔ کہ ووٹ دینے کے قابل اس انجمن میں کتنے افراد ہیں۔ اور ان میں سے بوقت اجلاس کتنے حاضر تھے

(۱۵) فہرست انتخاب پر صدر جلسہ کے علاوہ دو ایسے دوستوں کے دستخط ہونے بھی لازمی ہوں گے۔ جو کسی عہدہ کے لئے انتخاب میں نہ آئے ہوں۔ مگر انتخاب کی کارروائی میں موجود رہے ہوں۔

(۱۶) عہدیداروں کے انتخاب کی فہرستیں معہ ان کی خط و کتابت کے مکمل پتوں کے (سکونت ڈاکخانہ۔ ضلع وغیرہ) یکم اپریل سے ۱۵ اپریل ۳۸ء تک لازماً دفتر ناظر اعلیٰ میں پہنچ جانی چاہئیں۔ لیکن جب تک جدید منظوریوں کا اعلان شائع نہ ہو۔ اس وقت تک سابقہ عہدیدار ہی کام کرتے رہیں گے۔

(۱۷) اگر کسی انجمن یا حلقۂ امارت کے ساتھ اور دیہات یا جماعتیں بھی شامل ہوں۔ تو یہ بات فہرست انتخاب اور درخواست امارت میں واضح طور پر بیان کرنی چاہیئے۔ کہ اس انجمن یا حلقۂ امارت میں کون کونسے دیہات یا جماعتیں شامل ہیں۔ اور اس انجمن یا حلقۂ امارت کا مرکزی مقام کونسا ہے۔ یعنی کس نام پر یہ انجمن یا حلقۂ امارت ہوگا۔

(۱۸) اگر کسی انجمن کا تار کا پتہ رجسٹرڈ ہو۔ تو وہ بھی لکھا جائے۔

(۱۹) اگر کوئی امیر یا پریذیڈنٹ یہ خواہش رکھتا ہو۔ کہ اس کے سکرٹریوں کے نام کی خط و کتابت اسکی معرفت ہو۔ تو اس بات کو بھی واضح کر دیا جائے۔

(۲۰) عہدیداروں کے نام کے ساتھ ان کے القاب و خطاب بھی لکھے جائیں۔ مثلاً مولوی سید۔ مرزا۔ چودھری شیخ۔ بابو ڈاکٹر منشی وغیرہ جو عام طور پر ان کے نام کے ساتھ لکھا یا بولا جاتا ہو۔ اسی طرح ملازم کی صورت میں عہدہ کا بھی ساتھ اندراج کیا جاوے۔

(۲۱) جدید انتخابات کی منظوریوں کا اعلان شائع ہونے پر سابقہ عہدیداروں کو فی الفور کام کا چارج پوری تفصیل اور مکمل ریکارڈ کے ساتھ جدید عہدیداروں کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ اور جدید عہدیداروں کو چاہیئے۔ کہ چارج لینے کے بعد دو ہفتہ کے اندر اندر سابقہ عہدیداروں سے گذشتہ سال کی رپورٹیں لے کر متعلقہ مرکزی صیغہ جات کو بھجوا دیں۔ ورنہ یہ ذمہ واری بعد میں ان پر عائد ہوگی۔

اعلان۔ ناظر صاحب بیت المال فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ انسپکٹران بیت المال کو چند نہایت ضروری ہدایات دینی ہیں۔ اس لئے انہیں چاہیئے۔ کہ دفتر ہذا کو فوراً اپنے پتوں سے اطلاع دیں تاکیدہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فاروق

جلد ۲۳ | قادیان دارالامان مورخہ ۲۱ مارچ ۱۹۳۸ء | نمبر ۱۱

خطبہ جمعہ مورخہ ۱۱ مارچ ۳۸ء

عدالت عالیہ لاہور کا درخواست نگرانی کے متعلق قابل تعریف فیصلہ

فرمودہ حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:- اللہ تعالےٰ مومنوں کے **ایمان کی زیادتی کے لئے** ہمیشہ ایسے سامان پیدا کرتا رہتا ہے۔ جو ان کو صراط مستقیم پر قائم رکھتے اور ان کے ایمانوں کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ جو لوگ تو ظاہر اور باطن میں یکساں ہوتے ہیں۔ اور ان کے دلوں کا ایمان ان کی زبانوں کے دعووں کے مطابق ہوتا ہے۔ ایسے امور ان کے ایمان میں جلا پیدا کرتے اور ان کی روحانیت کو ترقی دیتے ہیں۔ لیکن جن کے دلوں میں ایمان ان کی زبانوں کے دعووں کے مطابق نہیں ہوتا۔ اور ان کا ایمان زبان کی نوک تک ہی رہ جاتا ہے۔ اور ان کے دل ویران ہوتے ہیں۔ ان کے لئے وہی چیز ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے۔ چونکہ یہ قدیم سے الٰہی سنت چلی آتی ہے۔ کہ **خدائی نشان** خدا تعالےٰ کی طرف سے آنے والی کتابیں۔ خدا تعالےٰ کے مامور اور مرسل اور خدا تعالےٰ کے دین کی تائید اور مدد میں کھڑے ہونے والے انسان سب اپنے اندر یہ صفت رکھتے ہیں۔ کہ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ دنیا میں خدا تعالےٰ کا کوئی ایسا مامور نہیں آیا۔ جو بعض لوگوں کی ٹھوکر کا موجب نہ ہوا ہو۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی کتاب ایسی نہیں آئی۔ جو بعض کی گمراہی کا موجب نہ ہوئی ہو۔ خدا تعالےٰ کے دین کی خدمت کے لئے کوئی شخص کھڑا نہیں ہوا۔ خواہ وہ مامور ہو یا غیر مامور۔ جو بعض لوگوں کی گمراہی کا موجب نہ ہوا ہو۔ اسی طرح دنیا میں خدا تعالےٰ کا کوئی مامور یا مرسل ایسا نہیں آیا۔ جو لوگوں کی **ہدایت کا موجب** نہ ہوا ہو۔ کوئی کتاب ایسی نہیں آئی۔ جس سے لوگوں نے ہدایت نہ پائی ہو۔ کوئی شخص خدا تعالےٰ کے دین کی خدمت کے لئے ایسا کھڑا نہیں ہوا۔ جس کے دل میں سچی تڑپ ہو۔ اور خدا تعالےٰ نے اسکی کوششوں میں برکت نہ ڈالی ہو۔ یہ دونوں دریا یکساں اور بیک وقت چلتے ہیں۔ لیکن بینھما برزخ لا یبغیٰن۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی دریا ہے۔ جو کسی زمانہ میں خالص اسلام کے نام سے بہتا ہے۔ کسی زمانہ میں عیسوی تعلیم کے نام سے بہتا ہے۔ کسی زمانہ میں ابراہیم کی تعلیم کے نام سے بہتا ہے۔ اور کسی زمانہ میں احمدیہ اسلام کے نام سے بہتا ہے۔ گو ہر زمانہ میں دریا ایک نظر آتا ہے۔ مگر دراصل اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک میٹھا اور ایک کڑوا۔ جو حصہ میٹھے پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ مومنوں کی جماعت ہوتی ہے۔ اور جو کڑوے پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ منافقوں کی جماعت ہوتی ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک بہت ہی باریک پردہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ بینھما برزخ لا یبغیٰن۔ یعنی گو دنیا کو وہ ایک ہی نظر آتا ہے۔ مگر دراصل اس میں دو قسم کے پانی ہیں۔ ایمان کا بھی اور نفاق کا بھی۔ مومن کوشش کرتے ہیں۔ کہ منافقوں کو سیدھا کریں۔ اور راہ راست پر لے آئیں۔ مگر ان کی باتیں ان کو اور بھی گمراہ کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں۔ اور منافق کوشش کرتے ہیں کہ مومنوں کو گمراہ کریں۔ مگر ان کی تدبیریں مومنوں کے ایمان کو اور بھی بڑھانے کا باعث ہو جاتی ہیں۔ سورہ بقرہ میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فزادھم اللہ مرضا۔ یعنی اللہ تعالےٰ اپنے نشانوں سے منافقوں کے مرض کو بڑھاتا ہے۔ پھر سورہ احزاب میں ہے۔ کہ منافقوں نے اگر مسلمانوں کو ڈرانا شروع کیا۔ اور کہا۔ کہ کفر بہت ترقی کر گیا ہے۔ اور کہ کافر چاروں طرف سے حملہ آور ہو رہے ہیں۔ اور اب ایسا وقت آگیا ہے۔ کہ مسلمان بالکل تباہ ہو جائیں۔ مگر یہ باتیں سنکر اور کفار کا لشکر دیکھکر بجائے اس کے کہ مومن ڈرتے۔ ان کے ایمان اور بھی بڑھ گئے۔ وما زادھم الا ایمانا و تسلیما۔ ان امور نے مومنوں کے ایمان اور ان کی فرمانبرداری کو اور بھی بڑھا دیا۔ غرض نشان ایک ہی ہوتا ہے۔ مگر دو قسم کے لوگوں کے لئے وہ دو مختلف نتائج پیدا کرتا ہے۔ ایک فریق اسکی وجہ سے ایمان میں ترقی کرتا ہے۔ اور دوسرا نفاق میں۔ غرض دنیا کی نگاہ میں گو الٰہی سلسلہ ایک دریا کی طرح بہتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور سب دیکھنے والے اسے ایک ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ کی نظر میں وہ جدا جدا دریا ہوتے ہیں۔ کئی نادان کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں فریق ایک ہی ہے۔ اور ان میں کیا اختلاف ہے۔ مگر خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ بینھما برزخ لا یبغیٰن۔ نہیں۔ وہ اصل میں بالکل الگ الگ ہیں۔ اور ان کے درمیان خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک پردہ حائل ہے۔ منافق مومن کے حالات کو نہیں پا سکتا۔ اور مومن منافق کی ذلتوں سے حصہ نہیں لیتا۔ **اللہ تعالےٰ کی سنت** یہی ہے۔ کہ وہ ایسے نشان بھیجتا ہی رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اس بات نے نشانات ظاہر کرنے سے نہیں روکا۔ کہ دنیا میں جب بھی وہ ظاہر ہوئے ان کا انکار کیا گیا۔ وما منعنا ان نرسل بالآیات الا ان کذب بھا الاولون۔ (بنی اسرائیل ع ۶) یعنی ہمیں اس بات کے سوا نشان بھیجنے سے کس امر نے روکا ہے۔ کہ جب پہلے زمانوں میں نشانات ظاہر ہوئے۔ تو لوگوں نے انہیں نہیں مانا۔ مطلب یہ کہ یہ روک کوئی روک نہ تھی۔ اس لئے ہم پھر بھی نشانات بھیجتے ہی رہے۔ کیونکہ نشانات تو ماننے والوں کے لئے ہوتے ہیں۔ اور وہی لوگ خدا تعالےٰ کی جماعت ہیں۔ سو جب نشانات ان کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ تو دشمنوں کے انکار کی وجہ دوستوں کو فائدہ سے کیوں محروم کیا جائے۔ ان نشانوں میں سے جو اللہ تعالےٰ نے نبیوں کی جماعتوں کی صداقت کے اظہار کے لئے مقرر کئے ہیں۔ ایک یہ بھی ہے۔ کہ جب بھی کوئی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ **جھوٹ کا ہتھیار** ضرور استعمال کرتا ہے۔ اور بالعموم ایسے لوگوں کے دعووں کی بنیاد جھوٹ اور فریب پر ہوتی ہے اور ان کے مقابلہ پر مومنوں کی بنیاد بالعموم صداقت پر ہوتی ہے۔ بالعموم میں نے اسلئے کہا۔ کہ ان میں بھی بعض کمزور لوگ ہوتے ہیں۔ جو مصائب کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور بعض اوقات جھوٹ بول جاتے ہیں۔ مگر ان کا جھوٹ عارضی ہوتا ہے مستقل نہیں۔ مگر مقابلہ کرنے والوں کا جھوٹ مستقل ہوتا ہے۔ اور وہ علی الاعلان اپنی قوم کی طرف سے ایسا جھوٹ بولتے ہیں۔ کہ ہر شریف الطبع محسوس کر لیتا ہے۔ کہ وہ ایسی خلاف بیانی کرتے ہیں۔ جو مومن نہیں کر سکتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا۔ تو دشمن نے کہا۔ کہ آپ جھوٹے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ نعوذ باللہ جھوٹے ہوتے۔ تو سچ کے ذریعہ آپ کو مغلوب کرنا آسان تھا۔ اگر وہ دعوے جو آپ نے کئے۔ قرآن کریم سے ثابت نہیں ہوتے تھے۔ تو آسان طریق یہ تھا۔ کہ قرآن کریم یا احادیث صحیحہ سے ان کا غلط ہونا ثابت کر دیا جاتا۔

پس دشمن کے لئے یہ راہ بالکل آسان تھی۔ کہ وہ ان آیتوں اور حدیثوں کو پیش کرتا۔ جو ان دعووں کے خلاف تھیں۔ مگر اس نے ایسا کرنے کے بجائے آپ کی طرف **جھوٹے دعوے اور جھوٹے کام** منسوب کئے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ساتھ یہ بھی فرمایا۔ کہ میں ایسا نبی نہیں ہوں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ اطاعت سے باہر جاؤں۔ بلکہ میں آپ کے دین اور قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ لیکن دشمنوں نے لوگوں کو یہ بتایا۔ کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کر کے **رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتک** کی ہے۔ یا پھر یہ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ حضرت مسیح ناصری اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں۔ مگر خدائی صفات جو آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ آپ میں نہیں تھیں۔ اور اس پر دشمنوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ آپ نے **حضرت مسیحؑ کی ہتک** کی ہے۔ حالانکہ اگر آپ کا یہ دعویٰ غلط تھا۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی طرف ایسے معجزات منسوب کرنا جن سے شرک پیدا ہوتا ہے۔ غلطی ہے۔ تو اس کا رد آسان تھا۔ اور وہ اس طرح کہ قرآن کریم سے یہ ثابت کر دیا جاتا۔ کہ بندے مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ یا یہ کہ انبیاء کو ایسا علم غیب حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

کو ہے۔ مگر یہ آسان راہ اختیار کرنے کے بجائے دشمنوں نے آپ کی طرف ایسے دعوے منسوب کئے۔ جو آپ نے نہیں کئے تھے۔ اور آپ کی کتابوں سے حوالے کانٹ چھانٹ کر آپ کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں۔ جو دراصل آپ نے نہیں کہی تھیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک رسالہ لکھا۔ اور گورنمنٹ کو بھجوایا۔ جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کہ آپ گویا

گورنمنٹ کے مخالف

ہیں۔ اور اس میں آپ کی کتابوں سے بعض حوالے کانٹ چھانٹ کر اور کوئی ٹکڑا عبارت کا کہیں سے لے کر اور کوئی کہیں سے لے کر درج کر دیئے۔ مگر آج اس کے برخلاف دشمن یہ کہتے ہیں کہ آپ

گورنمنٹ کے خوشامدی

تھے۔ اور آپ کی کتابوں کی ایسی تیس الماریاں بھری پڑی ہیں۔ جن میں آپ نے گورنمنٹ کی وفاداری کی تعلیم دی ہے۔ اور گورنمنٹ کی خوشامد سکھائی ہے۔ گویا پہلے بغاوت کا حربہ استعمال کیا۔ لیکن اب یہ دیکھ کر کہ وہ حربہ اب کارآمد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ لوگوں میں بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ اور قومی خیالات ترقی کر رہے ہیں۔ تو یہ پہلو اختیار کر لیا۔ کہ آپ خوشامدی تھے۔

تو یہ دونوں قسم کے اعتراضات کئے گئے۔ حالانکہ ان دونوں میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا زمین و آسمان میں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ زمین آسمان تو ایک وقت میں موجود ہیں۔ لیکن یہ باتیں تو بالکل متناقض ہیں۔ اگر کوئی شخص دشمن ہو۔ تو وہ خوشامد نہیں کر سکتا۔ اور اگر خوشامدی ہو۔ تو دشمن نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان لوگوں کو تو دیانت سے تعلق نہ تھا۔ جب دیکھا۔ کہ ملک میں بیداری ہے۔ اور پبلک کو جوش دلانے سے فائدہ ہے۔ تو کہہ دیا۔ کہ آپ خوشامدی تھے۔ مگر جب پبلک گورنمنٹ کے خلاف نہ تھی۔ اور یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ گورنمنٹ کو جماعت احمدیہ کے خلاف کرنے میں فائدہ ہے۔ تو اس وقت یہ کہہ دیا۔ کہ آپ گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔ غرض جب گورنمنٹ مضبوط تھی۔ اور لوگوں میں قومی خیالات نہ پائے جاتے تھے۔ اس وقت گورنمنٹ کو آپ کے خلاف کرنا چاہا۔ اور جب گورنمنٹ میں کمزوری پیدا ہوئی۔ اور پبلک میں قومی خیالات ترقی کرنے لگے۔ تو خوشامدی کہنا شروع کر دیا اور یہ کہ آپ کو حکومت نے ہی کھڑا کیا ہے۔ لیکن عقلمند جانتے ہیں۔ کہ یہ دونوں باتیں غلط اور جھوٹ ہیں۔ اس زمانہ میں

میرے متعلق بھی یہی طریق

استعمال کیا گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ جب میرے متعلق کہا جاتا تھا۔ کہ یہ گورنمنٹ کا خوشامدی ہے۔ اور اب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کا دشمن ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے مخالف اور بعد میں خوشامدی کہا گیا۔ اور مجھے پہلے خوشامدی اور بعد میں مخالف کہا گیا۔ پہلے مجھے حکومت کا خوشامدی کہا جاتا تھا۔ مگر بعد میں جب دیکھا کہ حکومت کے بعض افسر ہمارے دشمن ہیں تو مجھے حکومت کا دشمن کہنے لگے۔ اس خیال سے کہ اس طرح بعض حکام بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

پھر ان فتنوں میں دیکھ لو۔ جو مذہبی لحاظ سے اٹھے ہیں۔ کس طرح

خلاف واقعہ اور غلط حوالے

پیش کئے جا رہے ہیں۔ ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے۔ کہ مسلمانوں میں خیال ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ جب دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ تو اسلام پر عمل کریں گے۔ حالانکہ جب وہ مستقل نبی ہیں۔ تو وہ اپنے دین پر عمل کریں گے۔ یہ بنیاد قائم کر کے آپ لکھتے ہیں۔ کہ اسلام کے لئے وہ کیسا مصیبت کا وقت ہو گا۔ جب اس میں ایک ایسا نبی آئے۔ کہ مسلمان تو مسجدوں کی طرف نماز پڑھنے جا رہے ہوں۔ اور وہ گرجا کی طرف جا رہا ہو۔ مسلمان تو قرآن کی تلاوت کر رہے ہوں۔ اور وہ انجیل پڑھ رہا ہو۔ (مفہوم عبارت) پیغامی جب جماعت سے علیحدہ ہوئے تو انہوں نے اس حوالہ کو بگاڑ کر یوں شائع کیا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرماتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے لئے وہ کیسا مصیبت کا وقت ہو گا۔ جب ان میں ایک نبی آئے گا۔ انہوں نے "ایسا" کو کاٹ کر اسکی جگہ "ایک" لکھ دیا۔ اور اس طرح اس کے یہ معنے کر لئے۔ کہ اب کسی قسم کا بھی نبی نہیں آ سکتا۔ حالانکہ "ایسا" کا لفظ بتا رہا ہے۔ کہ ایک خاص قسم کے نبی کے متعلق آپ یہ فرما رہے ہیں۔ تو انہوں نے "ایسا" کاٹ کر آرام سے اس کی جگہ "ایک" کا لفظ لکھ دیا ہر ایک شخص کے پاس کتاب نہیں ہوتی۔ پس انہوں نے سمجھا۔ کہ اس طرح بہت سے لوگ دھوکا کھاتے چلے جائیں گے۔ اور حوالوں میں بھی ان کا یہی رویہ رہا ہے۔ ابتدائی کتب کے حوالجات لوگوں کو دکھا دیتے ہیں۔ اور آخری کتب کے حوالوں کو چھپا لیتے ہیں۔

کل ہی ایک دوست ڈاکٹر عبد الغفور صاحب کی لاش یہاں لا کر دفن کی گئی ہے۔ جن دنوں وہ سلسلہ کے بارہ میں تحقیق کر رہے تھے۔ انہیں ڈلہوزی جانے کا اتفاق ہوا۔ مولوی محمد علی صاحب بھی وہاں تھے۔ وہ ان سے ملنے گئے۔ اور نبوت کے بارہ میں گفتگو شروع کی۔ تاکہ اس مسئلہ کے بارہ میں بھی کوئی فیصلہ کر سکیں۔ انہوں نے بعض حوالے اپنے مطلب کے ڈاکٹر صاحب کو دکھائے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب مرحوم بعض ہمارے دوستوں سے بھی حوالہ جات سن چکے تھے۔ انہوں نے مولوی صاحب سے کہا۔ کہ آپ "حقیقۃ الوحی" منگوائیں۔ اور اسکی فلاں فلاں عبارت کو حل کریں۔ اس کے جواب میں جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے بعد میں ذکر کیا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا۔ کہ وہ کتاب میرے پاس یہاں نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر حیرت کا اظہار کیا۔ کہ دوسری کتب موجود ہیں مگر صرف وہ کتاب نہیں۔ جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تعزیرات ہند قرار دیا ہے اور ان پر اس امر کا خاص اثر ہوا۔ کہ ان کتب کو بھی یہ لوگ نہیں رکھتے۔ جن سے ان کے عقیدوں کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔ آخر انہوں نے ۳۵ء یا ۳۶ء میں میری بیعت کر لی۔

تو انسان کے مدنظر جب صداقت ہو۔ تو سب قسم کی باتیں سامنے لانی چاہئیں۔ کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں۔ مگر بعض لوگ چونکہ خاص مقاصد ان کے مدنظر ہوتے ہیں۔ جان بوجھ کر غلط حوالہ جات پیش کر دیتے ہیں۔ اور یہی ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ ان کے پاس دلائل کوئی نہیں ہیں۔ ورنہ انہیں جھوٹ کی کیا ضرورت تھی۔

اب میں دیکھتا ہوں۔ کہ

مصری صاحب کے فتنہ میں

بھی وہی طریق اختیار کیا جا رہا ہے۔ صریح طور پر وہ باتیں پیش کی جا رہی ہیں۔ جن کے متعلق ہر عقلمند جانتا ہے۔ کہ غلط ہیں۔ اور ایسے حوالے پیش کئے جا رہے ہیں۔ کہ اگر ایک بچہ کے سامنے بھی رکھ دیئے جائیں۔ تو وہ کہے گا۔ یہ غلط ہیں۔ کسی غیر احمدی کے سامنے دونوں حوالے رکھ دو۔ اور یہ نہ بتاؤ۔ کہ میرا کونسا ہے۔ اور ان کا کونسا۔ اور اس سے پوچھو۔ کہ کیا میرے الفاظ کا وہی مفہوم ہے۔ جو وہ پیش کرتے ہیں۔ تو وہ فوراً کہہ دے گا۔ کہ ہرگز نہیں۔ بالکل جھوٹ ہے۔ یہی

فخر الدین صاحب اور عزیز احمد صاحب کا واقعہ

ہے۔ اس مقدمہ میں ہائی کورٹ نے ایک فیصلہ کیا۔ اور اسکی بنا پر ان لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ کہ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مرزا محمود احمد کے خطبات کے نتیجہ میں یہ قتل ہوا ہے۔

اس میں شک نہیں۔ کہ جس رنگ میں وہ فیصلہ کیا گیا۔ اور جس رنگ میں اس کا استعمال ہوا۔ اس سے ہم بھی متأثر ہوئے تھے۔ اور میں نے بھی ایک مضمون لکھا تھا۔ کہ فیصلہ میں بعض ایسے الفاظ ہیں۔ جن کے معنے بعض لوگوں کے لئے صاف نہیں۔ غرض اس وقت ان الفاظ سے غلط مفہوم لینے کا امکان تھا۔ اور اس وجہ سے غلط معنے کرنے والوں پر یقینی طور پر بددیانتی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ مگر اب جبکہ ہائی کورٹ کے فاضل ججوں نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ اگر ان الفاظ کو اسی رنگ میں استعمال کیا جائے۔ تو ہر شخص تسلیم کرے گا۔ کہ یہ

صاف بددیانتی

ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو آسمان پر زندہ ماننا شرک ہے۔ اس پر مخالف کہتے ہیں۔ کہ ان تمام بزرگان سلف کو جو اس عقیدہ کے تھے۔ آپ نے مشرک کہا ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ جب تک ایک مامور نے آ کر اس غلطی کو واضح نہیں کیا۔ اس وقت تک یہ ایک نہایت مخفی شرک تھا۔ جو صرف اجتہاد کی غلطی کہلا سکتا تھا۔ اور ایسا عقیدہ رکھنا لوگوں کو گنہگار نہیں بناتا تھا۔ کیونکہ لوگوں کی توجہ اس طرف پھیری نہیں گئی تھی۔ کہ یہ شرک ہے۔ لیکن مامور کی طرف سے اسکی وضاحت کے بعد ایسا عقیدہ رکھنا کھلا شرک بن گیا۔ پس اب اس کا معتقد گنہگار کہلائے گا۔ پس پہلے بزرگ گنہگار نہیں تھے۔ اور اس زمانہ کے لوگ گنہگار ہیں۔ اسی طرح جب تک ہائی کورٹ نے اپنے الفاظ کی وضاحت نہیں کی تھی۔ اس قسم کا مفہوم لینا بددیانتی نہیں کہلا سکتا تھا۔ مگر اب کہ ججوں نے اپنے الفاظ کی وضاحت کر دی ہے۔ وہ مفہوم لینا بددیانتی ہے۔ مگر ان لوگوں کی دیانت کا یہ حال ہے۔ کہ وہ اب بھی یہی مفہوم لے رہے ہیں ان کے ہمدرد اخبارات فیصلہ کو چھاپتے نہیں صرف یہ لکھ رہے ہیں۔ کہ ہائی کورٹ نے درخواست مسترد کر دی۔ مگر یہ نہیں بتاتے۔ کہ

کیوں درخواست مسترد کی گئی

اسکی مثال ایسی ہی ہے۔ کہ جیسے زید بکر کے پاس ایک ہزار روپیہ امانت کے طور پر رکھے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کے پاس جائے۔ کہ میں نے

ایک ہزار روپیہ آپ کے پاس امانت رکھا تھا۔ مجھے واپس دے دیں۔ اس پر بکر جواب دے۔ کہ مجھے آپ کا پیغام اس سے پہلے مل چکا ہے۔ اور میں نے اسی وقت فلاں آدمی کے ہاتھ روپیہ آپ کے گھر بھجوا دیا ہے۔ اس پر زید بجائے گھر جا کر روپیہ وصول کرنے کے لوگوں میں شور مچا دے کہ بکر میرا روپیہ دینے سے انکاری ہے۔ اس میں کیا شک ہے۔ کہ الفاظ میں بکر یہی کہتا ہے۔ کہ میں آپ کو روپیہ نہیں دیتا۔ مگر وہ یہ لفظ اس لئے نہیں کہتا۔ کہ وہ امانت سے منکر ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ کہتا ہے۔ کہ میں آپ کے آنے سے پہلے ہی روپیہ بھجوا چکا ہوں۔ بعینہ اسی طرح ہائی کورٹ نے میری درخواست کو مسترد کیا ہے۔ یعنی انہوں نے میری اس درخواست کے جواب میں کہ آپ کے فلاں الفاظ کے لوگ یہ معنے کرتے ہیں۔ کہ گویا میں نے اپنے خطبات میں جسمانی سزا کی طرف اشارہ کر کے قتل کی انگیخت کی ہے۔ اور ایسا میں نے ہرگز نہیں کیا۔ اسلئے ان الفاظ کی اصلاح کی جائے۔ یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ ہم نے ایسا ہرگز نہیں کہا۔ اور لوگ ہماری طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں۔ پس جبکہ ہماری عبارت کا وہ مفہوم نہیں۔ جو لوگ لیتے ہیں تو ہمیں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ ہم اپنے الفاظ کو بدلیں۔ پس درخواست مسترد ہے۔ ہر دیانتدار آدمی جانے گا۔ کہ یہ ویسی ہی مثال ہے۔ جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یعنی بکر زید کو روپیہ دینے سے اس لئے انکار کرتا ہے۔ کہ وہ پہلے ادا کر چکا ہے۔ ظاہر ہے۔ کہ

ہائی کورٹ کے فاضل ججوں کے لئے

میری درخواست کی منظوری کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ یا تو وہ کہتے کہ ہم خطبہ کا مطلب پہلے وہی سمجھے تھے۔ جو مصری اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا۔ لیکن اب ہم سمجھ گئے ہیں۔ کہ ہم نے پہلے جو بات سمجھی تھی۔ وہ غلط تھی۔ اس لئے اپنے الفاظ کاٹ دیتے ہیں۔ اور دوسری صورت یہ تھی۔ کہ وہ یہ کہتے کہ ہم نے وہ الزام آپ پر لگایا ہی نہیں۔ جو آپ یا دوسرے خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم نے لگایا ہے۔ پس چونکہ ہم نے ایسا کہا ہی نہیں۔ اس لئے ہم اپنے الفاظ کو کاٹتے بھی نہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ مؤخر الذکر فیصلہ تو پہلی صورت سے بھی زیادہ ہمارے لئے مفید ہے۔ کیونکہ اگر جج پہلی صورت اختیار کرتے تو کوئی کہہ سکتا تھا۔ کہ خطبہ کے الفاظ ایسے مشتبہ تھے۔ کہ ایک دفعہ تو ہائی کورٹ کے ججوں کو بھی غلطی لگ گئی۔ مگر وہ تو کہتے ہیں۔ کہ ہمیں تو پہلے بھی کوئی غلطی نہیں لگی۔ ہم پہلے بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان الفاظ میں روحانی سزا کا ذکر ہے۔ اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں اور جب ہم نے پہلے بھی یہ نہیں سمجھا۔ تو ہم کاٹیں کس بات کو۔ چنانچہ ان کا

فیصلہ یہ ہے

”یہ درخواست میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے اس غرض کے لئے دی گئی ہے۔ کہ ہم نے فوجداری اپیل ۱۱۲ آف ۱۹۳۷ء کے فیصلہ میں جو ۳ جنوری ۳۸ء کو کیا گیا ہے۔ بعض ریمارکس ایسے کئے تھے جنہیں حذف کر دیا جائے۔ مرافعہ گزار کے وکیل مسٹر سلیم نے ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے۔ کہ ہمارے فیصلہ کے آخری پیراگراف کے ایک فقرہ کا غلط مطلب لے کر اسے امام جماعت احمدیہ کے خلاف پروپیگنڈا کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے۔ ”اگر ہم اپیل کنندہ کے وکیل کے اس استدلال کو قبول بھی کریں۔ کہ خلیفہ صاحب کا سزا سے مقصد روحانی سزا تھا۔ تو بھی یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مذہبی راہنماؤں کے بعض پُرجوش پیرؤوں کے لئے روحانی اور جسمانی سزا میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر نوع اس ملک میں ایسے مذہبی دیوانے موجود ہیں۔ جو ایسی سزاؤں کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو خدا کا آلۂ کار سمجھتے ہیں“

کہا گیا ہے۔ کہ خلیفہ صاحب کے مخالف اس فقرہ کا یہ مطلب لے رہے ہیں۔ کہ خلیفہ صاحب کی اس تقریر میں جس کا ہم نے ذکر کیا تھا۔ سزا سے روحانی سزا نہیں بلکہ جسمانی سزا مراد تھی۔ اور فی الحقیقت اس میں تشدد کی تلقین کی گئی تھی“ اس کے بعد جج کہتے ہیں۔ کہ ”اس فقرہ کا یہ مفہوم درست نہیں لیکن اس معاملہ کو اچھی طرح واضح کرنے کے لئے نیز خلیفہ صاحب کے متعلق انصاف کو ملحوظ رکھنے کے لئے (in justice to him کا یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خلیفہ صاحب کے متعلق انصاف کا تقاضہ پورا کرنے کے لئے) ہم یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ ہم نے وکیل کے اس بیان کو صحیح تسلیم کیا تھا۔ کہ خلیفہ صاحب کی تقریر میں جسمانی طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر سزا کا ذکر تھا۔ ہم نے دراصل اس ملک میں اس قسم کی تقریروں کے متعلق اس خطرہ کا اظہار کیا تھا۔ کہ کسی مذہبی راہنما کے پُرجوش پیروان دو قسم کی سزاؤں میں مشکل سے تمیز کر سکتے ہیں“۔ یعنی ہمارا واعظانہ رنگ تھا۔ اس ملک میں لوگ عام طور پر جاہل ہیں۔ اور عین ممکن ہے۔ کہ کسی تقریر میں کسی مذہبی بزرگ کی مراد سزا سے روحانی ہو۔ مگر اس کے جاہل مریدوں میں سے کوئی اس بات کو نہ سمجھ سکے۔ اور وہ جسمانی سزا مراد لے لے۔ پھر وہ لکھتے ہیں۔ کہ ”ہم اپنے فیصلہ کے کسی حصہ کو حذف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ (یعنی جب ہم نے وہ بات کہی ہی نہیں۔ تو حذف کس کو کریں) لیکن ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارے اس فیصلہ کو جس رنگ میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ آخری حصہ کے مفہوم کی ایسی تشریح کر دی جائے کہ اس کا مطلب غلط نہ لیا جا سکے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ہمارا یہ فیصلہ فوجداری اپیل ۱۱۲ آف ۱۹۳۷ء کے متعلق ہمارے فیصلہ کے حصہ کے طور پر پڑھا جانا چاہیئے۔ درخواست خارج کی جاتی ہے“۔ گویا وہ قرار دیتے ہیں۔ کہ آئندہ پہلے فیصلہ کو علیحدہ کوئی شائع نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسے ساتھ لگانا ضروری ہے۔ تا ہر پڑھنے والا سمجھ سکے۔ کہ ہمارا کیا مطلب ہے۔ اور وہ قرار دیتے ہیں۔ کہ ہماری اس تشریح کے بغیر جو شائع کریگا۔ وہ مجرم ہوگا۔ یہ الفاظ کہ درخواست خارج کی جاتی ہے۔ تو ٹیکنیکل اور اصطلاحی الفاظ ہیں۔ اور ان کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہم سے کہا گیا ہے۔ کہ ان الفاظ کو منسوخ کر دیں۔ مگر ہم نے وہ الفاظ چونکہ کہے ہی نہیں۔ اس لئے منسوخ کیسے کریں۔ یہ بالکل وہی بات ہے۔ کہ بکر زید سے کہتا ہے۔ کہ میں تمہارا ایک ہزار روپیہ اس لئے نہیں دیتا۔ کہ وہ میں تمہارے مکان پر بھجوا چکا ہوں۔ اور اب تک وہ پہنچ بھی چکا ہوگا لیکن زید کہے۔ کہ بکر بد دیانت ہے۔ اسی طرح جج کہتے ہیں۔ کہ ہم درخواست کو مسترد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں وہ بات حذف کرنے کو کہا گیا ہے۔ جو ہم نے کہی ہی نہیں۔ اور دشمن جو کہتے ہیں۔ کہ ہم نے یہ کہا ہے۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے ہم یہ قرار دیتے ہیں۔ کہ ہمارے اس فیصلہ کو بھی سابقہ فیصلہ کا جز سمجھا جائے۔ اور اسے اس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ لیکن یہ لوگ عوام کو صرف یہ سناتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب کی درخواست مسترد ہو گئی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ ہائیکورٹ کے جج تو یہ کہتے ہیں۔ کہ

مصری اور اس کے ساتھی جھوٹے ہیں

مگر یہ کہتے ہیں۔ کہ الحمد للہ درخواست مسترد ہو گئی ہم تو دعا کرتے ہیں۔ کہ ایسی الحمد للہ کہنے کی توفیق ان کو روز ملتی رہے۔ حکومت اور غیر حکومت کے لوگوں کی طرف سے روز ان کو جھوٹا کہا جائے۔ اور یہ روز الحمد للہ کہتے رہیں۔ مصری صاحب نے اس فیصلہ کے الفاظ سے مراد جسمانی سزا ہی لی تھی۔ چنانچہ اسی بنا پر انہوں نے مجھ پر اعانت قتل کا مقدمہ بھی دائر کر دیا۔ ان کی طرف سے مجھ پر

تین مقدمات اعانت قتل کے

دائر کئے گئے ہیں۔ پہلے ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں دائر کیا۔ جو خارج کر دیا گیا۔ پھر اسکی اپیل عدالت سشن میں کی۔ جسے عدالت سشن نے بھی خارج کر دیا۔ اور لکھا کہ مستغیث کو چونکہ مرزا صاحب سے دشمنی ہے۔ اتنے عرصہ میں وہ جھوٹے گواہ تیار کر سکتا ہے۔ پھر ایک استغاثہ مجسٹریٹ علاقہ کی عدالت میں دائر کیا گیا۔ جسے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے منگوا کر خارج کر دیا۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ دشمن جھوٹ بولنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ باقی

صرف ایک فقرہ

ایسا رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ججوں نے لکھا ہے۔ کہ احتیاط کرنی چاہیئے۔ مگر اس سے دشمن کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ ملکی قانون کے نگران ملک میں امن کے قیام کو مد نظر رکھتے ہوئے الزام دئیے بغیر اگر عام نصیحت کریں۔ تو یہ ان کا حق ہے۔ جب وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ میں نے جسمانی سزا کا ذکر نہیں کیا۔ تو اگر وہ یہ بھی سمجھتے ہیں۔ کہ انہیں عام پبلک کے فائدہ کے لئے اچھے نہیں۔ بلکہ سب مذہبی لیڈروں کو نصیحت کر دینی چاہیئے۔ کہ ان کے لئے احتیاط ضروری ہے۔ تو اس میں دشمن کے لئے خوشی کا کوئی موقع نہیں۔ آخر ہائی کورٹ کے جج یا حکومت کے بعض دوسرے افسر کسی موقعہ کے لحاظ سے اگر اظہار رائے کرنا چاہیں تو انہیں کون روک سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی تحریر کو پڑھ کر ایک احمدی تو کہدیگا۔ کہ یہ بالکل اور حرف بحرف صحیح ہے لیکن جو شخص غیر احمدی ہے۔ اور غیر متعصب بھی ہے۔ وہ کسی حصہ کو صحیح اور کسی کو غلط کہے گا۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس نے ہتک کی۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح ججوں کے یہ کہنے سے

میری بھی کوئی ہتک نہیں ہو سکتی

سوال تو میری نیت اور ارادہ کا ہے۔ اس کو انہوں نے صاف کر دیا۔ وہ تو یہ کہتے ہیں۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کوئی جاہل اس سے یہ مطلب لے لے۔ اس لئے صرف مجھے نہیں۔ بلکہ ہندوستان میں عام طور پر مذہبی لیڈروں کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ دشمن تو ان الفاظ کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کرتا ہے۔ مگر میں بتاتا ہوں۔ کہ اس سے تو میری

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک اور مشابہت

پوری ہو گئی ہے۔ جس طرح مجھ پر مصری نے اعانت قتل کا مقدمہ دائر کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی ایسا مقدمہ کیا گیا تھا۔ میری نسبت کہا گیا ہے۔ کہ میں نے ایسی تقریر کی۔ جس کے نتیجہ میں قتل ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت کہا گیا تھا۔ کہ آپ نے ایک آدمی بھیجا ہے کہ فلاں شخص کو قتل کرا آؤ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مقدمہ کا ذکر اپنی کتاب ”کتاب البریہ“

میں کیا ہے۔ اور اس کے آخر میں اس مقدمہ کی روئیداد اور پھر فیصلہ درج کر دیا ہے۔ اور اسے اپنا معجزہ اور انگریزی انصاف کا نمونہ قرار دیا ہے۔ اور آج تک جماعت احمدیہ بھی اسے معجزہ کے طور پر شائع کرتی آئی ہے۔ اور جس افسر نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ اسے آج تک عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ولایت میں ہمیشہ پارٹیوں پر اسے بلایا جاتا ہے۔ اس فیصلہ کے آخر میں اس جج نے جسے

انگریزی زمانہ کا پیلاطوس

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہا جاتا ہے۔ یہ الفاظ لکھے ہیں:-

”ہم اس موقعہ پر مرزا غلام احمدؑ کو بذریعہ نوٹس کے جس کو انہوں نے خود پڑھ لیا۔ اور اس پر دستخط کر دیئے ہیں۔ باضابطہ طور سے متنبہ کرتے ہیں۔ کہ ان مطبوعہ دستاویزات سے جو شہادت میں پیش ہوئی ہیں۔ یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس نے اشتعال اور غصہ دلانے والے رسالے شائع کئے ہیں۔ جن سے ان لوگوں کی ایذا متصور ہے۔ جن کے مذہبی خیالات اس کے مذہبی خیالات سے مختلف ہیں۔ جو اثر کہ اسکی باتوں سے اس کے بے علم مریدوں پر ہوگا۔ اسکی ذمہ واری ان پر ہی ہوگی۔ اور ہم انہیں متنبہ کرتے ہیں۔ کہ جب تک وہ زیادہ میانہ روی کو اختیار نہ کریں گے وہ قانون کی رو سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ اسکی زد کے اندر آجاتے ہیں۔“ صـ ۲۶۱۔

اس فیصلہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام معجزانہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اصل الزام کو غلط قرار دیا گیا ہے۔ مگر دیکھ لو۔ کہ اس فیصلہ میں ویسے ہی لفظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں لکھے گئے ہیں۔ کہ جیسے مقدمہ بنام عزیز احمد میں میری نسبت لکھے گئے ہیں۔ بلکہ مسٹر ڈگلس کے لفظ زیادہ سخت ہیں۔ کیپٹن ڈگلس نے بھی یہ لکھا ہے۔ کہ بے علم مرید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں سے دھوکا کھا سکتے ہیں۔ اس لئے آپ کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ اور ہائیکورٹ نے بھی عام واعظانہ رنگ میں یہ بات کہی ہے۔ کہ مذہبی لیڈروں کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ ہاں الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے۔ کیپٹن ڈگلس نے ہائی کورٹ کے ججوں سے زیادہ سخت الفاظ استعمال کئے ہیں۔

مگر پھر بھی مصری اور ان کے رفقاء خوش ہیں کہ مرزا محمود احمد کی ذلت ہوگئی۔ اسکی اپیل مسترد ہوگئی۔ اگر یہ الفاظ سخت ہیں۔ اور ان سے ہتک ہوتی ہے۔ تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟

پنجابی میں کہتے ہیں۔ کہ دھی اے نی میں تینوں کواں۔ نوئیں نی توں کن رکھ۔ یعنی ماں اپنے بیٹے کے ڈر کی وجہ سے کہ وہ لڑائی کرے گا۔ اور بیوی کی مدد کرے گا۔ بہو کو تو کچھ نہیں کہتی بلکہ گالیاں دیتے وقت اپنی لڑکی کو مخاطب کر لیتی ہے۔ اور دراصل اس کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ بہو کو سنائے۔ میں سمجھتا ہوں۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ اصل میں یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بدظن ہو چکے ہیں۔ مگر آپ کو براہ راست گالیاں دیں۔ تو جماعت ان سے بدظن ہو جائے اس لئے یہ لوگ ایسے امور کو سامنے رکھ کر جن میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشابہت ہے۔ مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ اور اس طرح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں

دینے کے لئے راستہ صاف کرتے ہیں۔ اگر ان میں تقویٰ ہوتا۔ تو وہ یہ غور کرتے۔ کہ آخر اس شخص کو ہر بات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیوں مشابہت حاصل ہو رہی ہے۔ اور سمجھتے۔ کہ آخر کیا بات ہے۔ کہ جو مجھ پر اعتراض کرتا ہے۔ وہ مجبور ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی اعتراض کرے۔

مصری صاحب نے اپنے اشتہار ”بڑا بول“ میں میرے ان الفاظ کو کہ مجھے یہ یقین ہے۔ کہ جو شخص مجھے چھوڑتا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چھوڑتا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چھوڑتا ہے۔ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چھوڑتا ہے۔ اور جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو چھوڑتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑتا ہے“۔ ”بڑی تعلی اور بڑا غلو“ کہا ہے مگر وہ دیکھ لیں۔ کہ جو اعتراض وہ مجھ پر کرتے ہیں اس سے زیادہ سخت اعتراض حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر پڑتا ہے۔ یا نہیں۔ اور یہ امر اس الٰہی قانون کے ماتحت ہے۔ کہ جب تم ایک صداقت پر حملہ کرو۔ تو وہ حملہ ضرور دوسری صداقت پر بھی پڑتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر اس قسم کے فقروں سے ذلت ہو سکتی ہے۔ جو ہائیکورٹ کے فیصلہ میں تھے تو مصری صاحب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں

کیونکہ جو فقرے میرے متعلق لکھے گئے ہیں ان سے زیادہ سخت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھے گئے ہیں۔

پس اس واقعہ سے تو میری حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشابہت ثابت ہوتی ہے۔ نہ یہ کہ مجھ پر اعتراض پڑتا ہے۔ بلکہ عقلمند انسان کے لئے تو اس فیصلہ میں

ایک سے زیادہ مشابہتیں

ہیں۔ (۱) وہ مشابہت ہے۔ جو میں بتا چکا ہوں۔ یعنی ایک ہی قسم کے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اور میرے متعلق عدالت نے استعمال کئے ہیں۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی سازش قتل کا الزام لگایا گیا۔ اور میرے متعلق بھی۔ اور اسی سلسلہ میں یہ الفاظ لکھے گئے۔

(۳) جن مجسٹریٹ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ ان کا نام کیپٹن ڈگلس تھا۔ اور جس جج نے میرے متعلق اس قسم کے لفظ استعمال کئے ہیں۔ ان کا نام بھی سر ڈگلس ہے۔

اب تم غور کرو۔ کہ یہ باریک سے باریک مشابہتیں کون پیدا کرا رہا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ کہ موسیٰ کی پیشگوئیاں جو تیرے حق میں پوری ہو رہی ہیں۔ کیا تو مدین میں موجود تھا۔ یا تو طور پر موجود تھا۔ کہ موسےٰ سے یہ باتیں تو نے کہلائیں۔ اسی طرح میں بھی کہتا ہوں۔ کہ میں تو اس وقت بچہ تھا۔ کیا میں نے مارٹن کلارک اور دوسرے پادریوں کو کہہ دیا تھا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایسا مقدمہ کریں۔ پھر کیا میں نے عبدالحمید کو اس قسم کا بیان دینے کے لئے تیار کر لیا تھا۔ اور پھر میں نے گورنمنٹ کو کہہ دیا۔ کہ ڈگلس نام کے ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں اسکی سماعت کرائے۔ اور پھر کیا اب بھی میں نے یہ کوشش کی تھی۔ کہ اس نام کے چیف جسٹس اس صوبہ میں آئیں۔ اور وہ مقدمہ عزیز احمد کی سماعت خود کریں پھر کیا میں نے ہی مصری صاحب سے کہا تھا۔ کہ وہ مجھ پر قتل کا دعویٰ کر دیں۔ تاکہ میری مشابہت حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ثابت ہو جائے۔ اگر یہ سب باتیں منصوبہ ہیں۔ تو پھر مصری صاحب بھی اس میں شامل ہیں۔ اور وہ مخالفت سے نہیں بلکہ جان کر مجھ سے الگ ہوئے ہیں۔ تاکہ وہ ایسی مشابہت کے سامان پیدا کریں۔

کہا جا سکتا ہے۔ کہ جس مجسٹریٹ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا۔ ان کے نام کا آخری حصہ ڈگلس تھا۔ اور موجودہ چیف جسٹس کے نام کا یہ پہلا حصہ ہے۔ اور یہ فرق ہے۔

سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ خدا تعالےٰ نے اس کا علاج بھی کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ جن صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ مسٹر تھے۔ اور چیف جسٹس صاحب نائٹ ہیں۔ اور انگریزی قوم کا دستور ہے۔ کہ جو نائٹ نہ ہوں۔ ان کے نام کا آخری حصہ بولا جاتا ہے۔ اور جو نائٹ ہوں۔ ان کے نام کا پہلا حصہ پکارا جاتا ہے۔ اس طرح بولنے میں وہ صاحب کیپٹن ڈگلس کہلائیں گے۔ اور چیف جسٹس صاحب سر ڈگلس کہلائیں گے۔ اور نام کی مشابہت بولنے کے ذریعہ سے پوری طرح قائم رہے گی۔

غرض اس مقدمے نے بھی میری حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشابہت ثابت کی ہے۔ اور یہ امر

دشمن کیلئے یقیناً ذلت کا موجب

ہے۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود مصری صاحب اور ان کے ساتھی یہی کہتے پھرتے ہیں۔ کہ اپیل مسترد ہو گئی۔ بڑی ذلت ہوئی۔ حالانکہ یہ استرداد بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے ہم کسی سے کہیں۔ کہ معافی مانگو۔ تم نے گالی دی ہے۔ تو وہ کہے۔ کہ میں نے تو گالی دی ہی نہیں معافی کیسی مانگوں۔ اگر تو ہائیکورٹ کے جج کہتے۔ کہ اس خطبہ میں سزا سے مراد جسمانی سزا ہی ہے۔ مگر ہم اپنے الفاظ واپس نہیں لے سکتے۔ پھر تو مصریوں کا اعتراض صحیح ہو سکتا تھا۔ مگر جب وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم نے تو یہ الفاظ کہے ہی نہیں۔ تو پھر صرف یہ کہتے چلے جانا کہ درخواست مسترد ہو گئی۔ کس قدر دھوکا ہے۔ ان لوگوں کی

دیانتداری اور تقویٰ کا حال

اور بہت سی باتوں سے بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ لوگ واقعات کو بالکل غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اور چھپے ہوئے حوالہ جات کو پیش کرتے ہوئے بھی بددیانتی سے نہیں رکتے مثلاً شیخ مصری صاحب نے مجھ پر جو استغاثہ دائر کیا تھا۔ اس میں مجھ پر یہ الزام لگایا تھا۔ کہ گویا میں نے خطبات کے ذریعہ سے قتل کی تحریک کی ہے۔ اور ثبوتوں میں سے ایک ثبوت کے طور پر ۲۳ر مئی ۱۹۳۷ء کے ایک خطبہ کو پیش کیا تھا۔ اور لکھا تھا۔ کہ مرزا محمود احمد نے اپنے اس خطبہ میں کہا ہے۔ کہ یاد رکھو دنیا میں قیام امن دو ذرائع سے ہوتا ہے۔ یا اس وقت جب مار کھانے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے۔ یا جب دوسرے کو مارنے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے۔ درمیانی دوغلہ کوئی چیز نہیں۔ اگر ان دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آ جائیں۔ تو ہم دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی ایسے میسر آ جائیں۔ جو مار کھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ تو وہ دنیا

کو ڈرا سکتے ہیں۔ اور اگر چالیس آدمی ایسے میسر آجائیں۔ جو مارنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ تو وہ بھی دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔

بہادر وہ ہے۔ جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے۔ اور پکڑا جاتا ہے۔ تو دلیری سے سچ بولتا ہے۔ اور اگر مار کھانے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو پھر جوش میں نہیں آتا۔ اور اپنے نفس کو شدید اشتعال کے وقتوں میں بھی قابو میں رکھتا ہے۔

پس اگر تم جیتنا چاہتے ہو۔ تو دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔

میں پھر ایک دفعہ کھول کھول کر بتا دیتا ہوں کہ شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں یا انسان کو مرنا آتا ہو۔ یا انسان کو مارنا آتا ہو۔ اگر کوئی انسان سمجھتا ہے۔ کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے۔ تو میں اس سے کہوں گا۔ کہ اے بے شرم تو آگے کیوں نہیں جاتا۔ اور اس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا۔ جس منہ سے تُو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلوائی ہیں۔ گندے سے گندے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہے جاتے ہیں۔ تم خود دشمن سے وہ الفاظ کہلواتے ہو۔ اور پھر تمہاری تگ ودو وہیں تک آکر ختم ہو جاتی ہے۔ کہ گورنمنٹ سے کہتے ہو۔ وہ تمہاری مدد کرے۔ وہ تمہارے صبر کو بزدلی پر محمول کریں گے۔ تمہارا گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنا بالکل بے سود ہے۔"

یہ الفاظ ہیں۔ جو مصری صاحب نے میری طرف منسوب کئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ میرا خطبہ "الفضل" ۵ر جون ۱۹۳۷ء میں دس صفحات پر شائع ہوا ہے۔ اور انہوں نے اس دس صفحہ کے خطبہ میں سے یہ الفاظ کہیں کہیں سے کاٹ کر لکھ دئے ہیں۔ میں

اس خطبہ کا موضوع

بتا دیتا ہوں تا اس کے سمجھنے میں آسانی ہو بات یہ ہے۔ کہ یہاں آریوں کا ایک جلسہ ہوا۔ جس کے سلسلہ میں انہوں نے جلوس نکالا۔ اور اس میں لیکھرام زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اس پر ایک احمدی نے جو وہاں کھڑا تھا۔ مرزا غلام احمدؐ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اور بعض مقامی افسروں نے افسرانِ بالا کے پاس شکایت کی۔ کہ احمدیوں نے اس موقعہ پر اشتعال انگیز رویہ اختیار کیا۔ میں اس وقت سندھ میں تھا۔ میرے پاس ایک احمدی نے یہ شکایت لکھ کر بھیجی۔ کہ مقامی پولیس والے ہمارے خلاف کیسی کیسی شرارتیں کر رہے ہیں۔ کہ ایک احمدی نے مرزا غلام احمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) زندہ باد کا نعرہ لگایا تھا۔ مگر وہ یہ کہہ رہی ہے۔ کہ اس نے لیکھرام مردہ باد کہا تھا۔ اس پر میں نے سندھ سے واپس آکر یہ خطبہ پڑھا۔ اور اس خطبہ کا مضمون یہ ہے۔ کہ اس احمدی نے اگر مرزا غلام احمدؐ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) زندہ باد کہا۔ تو بھی غلطی کی۔ اس لئے کہ اگر آریہ ہمارے کسی جلسہ میں آکر لیکھرام زندہ باد کہیں۔ تو ہمیں اس پر غصہ آئے گا یا نہیں۔ اسی طرح ان کے جلوس کے موقعہ پر مرزا غلام احمدؐ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) زندہ باد کہنا بھی ان کے لئے اشتعال کا موجب تھا۔ سو خطبہ کا مضمون تو یہ ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے کہا ہے۔ کہ جاؤ اور جا کر مخالفوں کو مار دو۔ غور کرو ان دونوں باتوں میں کوئی بھی جوڑ ہے۔ میں تو کہتا ہوں۔ کہ اس احمدی کو مرزا غلام احمدؐ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) زندہ باد بھی اس موقعہ پر نہیں کہنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تلقین کی ہے۔ کہ جاؤ اور جا کر مخالفوں کو مار دو۔ اب دیکھو

میرے الفاظ کس طرح کاٹے گئے

ہیں۔ میری عبارت یوں ہے۔ (مصری صاحب کے نقل کردہ حصہ کو خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور جو حصہ انہوں نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے۔ تا کہ لوگوں کو دھوکا لگے۔ اس کے نیچے لکیر کھینچ دی گئی ہے۔ تا دوستوں کو معلوم ہو جائے کہ کس قدر خیانت سے کام لیا گیا ہے)

"یاد رکھو دنیا میں قیام امن دو ذرائع سے ہوتا ہے۔ یا اس وقت جب مار کھانے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے۔ یا جب دوسرے کو مارنے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے۔ درمیانی دوغلہ کوئی چیز نہیں۔ اب جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم سے میں سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہم میں مار کھانے کی طاقت ہونی چاہیئے۔ بالکل ممکن ہے تم میں سے بعضوں کا خیال یہ ہو۔ کہ ہم میں مارنے کی طاقت ہونی چاہیئے۔ میں اسے غیر معقول نہیں کہتا۔ ہاں غلط ضرور کہتا ہوں۔ یہ ضرور کہتا ہوں۔ کہ اس نے قرآن کو نہیں سمجھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کو نہیں سمجھا کیونکہ خدا تعالیٰ نے مارنے کے لئے جو شرائط رکھی ہیں۔ وہ اس وقت ہمیں میسر نہیں۔ پس کم سے کم میں اسے شرارتی یا پاگل نہیں کہوں گا۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کہوں گا۔ کہ اس کی ایک رائے ہے جو میری رائے سے مختلف ہے۔ لیکن تمہاری یہ حالت ہے۔ کہ تم میں سے ایک شخص کہتا ہے۔ کہ دشمن کو سزا دینی چاہیئے۔ اور پھر جب وہ ہماری تعلیم کے صریح خلاف کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے۔ تو بھاگ کر ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ مجھے بچانا۔ مجھے بچانا۔ آخر جماعت تمہیں کیوں بچائے۔ کیا تم نے جماعت کے نظام کی پابندی کی۔ یا اپنے جذبات پر قابو رکھا۔ اور اگر تم اس خیال کے قائل نہیں تھے۔ تو پھر تمہیں ہمارے پاس بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت ہے تمہیں چاہیئے۔ کہ تم دلیری دکھاؤ۔ اور اپنے جرم کا اقرار کرو۔

(اوپر کی نشان کردہ عبارت کو مصری صاحب نے چھوڑ دیا ہے۔ اور اگلی عبارت اس کے ساتھ جوڑ دی ہے)

اگر ان دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آجائیں۔ جو مار کھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ تو وہ دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ اور اگر چالیس آدمی ایسے میسر آجائیں۔ جو مارنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ تو وہ بھی دنیا کو ڈرا سکتے ہیں

(اس کے آگے کی عبارت پھر انہوں نے چھوڑ دی ہے)

مگر تمہاری حالت یہ ہے۔ کہ جب تم میں سے بعض دشمن سے کوئی گالی سنتے ہیں۔ تو ان کے منہ میں جھاگ بھر آتی ہے۔ اور وہ کود کر اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اسی وقت ان کے پیر پیچھے کی طرف پڑ رہے ہوتے ہیں۔ تم میں سے بعض تقریر کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ ہم مر جائیں گے۔ مگر سلسلہ کی ہتک برداشت نہیں کریں گے۔ لیکن جب کوئی ان پر ہاتھ اٹھاتا ہے۔ تو پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں بھائیو۔ کچھ روپے ہیں۔ کہ جن سے مقدمہ لڑا جائے کوئی وکیل ہے۔ جو وکالت کرے۔ بھلا ایسے خنثوں نے بھی کسی قوم کو فائدہ پہنچایا ہے۔

(اس کے بعد ذیل کی عبارت انہوں نے پہلی عبارت سے جوڑ دی ہے)

بہادر وہ ہے۔ جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے۔ اور پکڑا جاتا ہے۔ تو دلیری سے سچ بولتا ہے۔ اور اگر مار کھانے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر جوش میں نہیں آتا۔ اور اپنے نفس کو شدید اشتعال کے وقتوں میں بھی قابو میں رکھتا ہے۔ پس اگر تم جیتنا چاہتے ہو۔ تو دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔

(اس کے بعد ذیل کی عبارت ہے جو مصری صاحب نے حذف کر دی ہے۔ اس کو ساتھ ملا کر پڑھو۔ اور دیکھو کہ یہ مصلح ہونے کا دعوے کرنے والا کس تقوے کا مالک ہے)

جو کچھ میں سمجھتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ میں سچ سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ بہادر بنو۔ مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو۔ اور امام کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہاں جب وہ کہے۔ کہ اب لڑو اس وقت بے شک لڑو۔ لیکن جب تک تمہیں امام لڑائی کا حکم نہیں دیتا۔ اس وقت تک دشمن کو سزا دینے کا تمہیں اختیار نہیں۔ لاٹھی اور سوٹے سے نہیں۔ بلکہ ایک ہلکا سا تھپڑ مارنا بھی تمہارے لئے جائز نہیں بلکہ میں کہتا ہوں۔ تھپڑ تو الگ رہا۔ ایک گلاب کے پھول سے بھی تمہیں دشمن کو اس وقت تک مارنے کی اجازت نہیں۔ جب تک امام تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دے لیکن اگر تمہارا یہ عقیدہ نہیں۔ تب بھی میں شریف انسان تمہیں تب سمجھوں گا۔ کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہو۔ کہ گالی دینے والے دشمن کو ضرور سزا دینی چاہیئے۔ اور تم اس گالی دینے والے کے جواب میں سخت کلامی کرتے ہو۔ اور اس سے جوش میں آکر وہ پھر اور بد کلامی کرتا ہے۔ تو پھر تم مٹ جاؤ۔ اور اپنے آپ کو فنا کر دو۔ لیکن اس منہ کو توڑ دو جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے گالی نکلی تھی۔ کیونکہ اس کو خاموش کرانا تمہارا ہی فرض ہے۔ کیونکہ تمہارے ہی فعل سے اس نے مزید گالیاں دی ہیں کیا تمہیں شرم نہیں آئی۔ کہ تم ایک سخت بدلگام دشمن کا جواب دے کر اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دلواتے ہو۔ اور پھر خاموشی سے گھروں میں بیٹھ رہتے ہو۔ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی حیا ہے۔ اور تمہارا صحیح یہ عقیدہ ہے۔ کہ دشمن کو سزا دینی چاہیئے۔ تو پھر یا تم دنیا سے مٹ جاؤ۔ یا گالیاں دینے والے کو مٹا دو۔ مگر ایک طرف تم جوش اور بہادری کا دعویٰ کرتے ہو۔ اور دوسری طرف بزدلی اور دون ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ میں تو ایسے لوگوں کے متعلق یہی کہتا ہوں۔ کہ وہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دلواتے ہیں۔ اور وہ آپ سلسلہ کے دشمن اور خطرناک دشمن ہیں۔ اگر کسی کو مارنا پیٹنا جائز ہوتا۔ تو میں کہتا۔ کہ ایسے لوگوں کو بازار میں کھڑا کر کے خوب پیٹنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ گالیاں دلواتے ہیں۔ اور پھر مخلص اور احمدی کہلاتے پھرتے ہیں۔

(اس کے آگے کچھ عبارت اس مضمون کی تائید میں ہے جسے بخوف طوالت چھوڑا جاتا ہے۔ مصری صاحب نے اس سب عبارت کو اپنے مخصوص اغراض کی وجہ سے حذف کر کے ذیل کا فقرہ چن کر پہلے بیان کردہ فقرہ سے جا ملایا ہے)

پس میں پھر ایک دفعہ کھول کھول کر بتا دیتا ہوں۔ کہ شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں۔ یا انسان کو مرنا آتا ہو۔ یا انسان کو مارنا آتا ہو۔ (اس کے بعد کے فقرات جو ان کے مضمون کے غلط ہونے کو روز روشن کی طرح ثابت کر دیتے ہیں۔ انہوں نے پھر حذف کر دیئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں)

ہمارا طریقہ مرنے کا ہے۔ مارنے کا نہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ابھی اس مقام پر رکھا ہوا ہے

کہ مرجاؤ۔ مگر اپنی زبان نہ کھولو۔ کیا تم نے جہاد پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم نہیں پڑھی۔ اس میں کس وضاحت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا ہے۔ کہ اگر جہاد کا موقعہ ہوتا۔ تو خدا تعالےٰ تمہیں تلوار کیوں نہ دیتا۔ اس کا تلوار نہ دینا بتاتا ہے۔ کہ یہ تلوار سے جہاد کا موقعہ نہیں۔ اسی طرح اگر تمہارے لئے مارنے کا مقام ہوتا۔ تو تمہیں اس منہ کے توڑنے کی طاقت اور اس کے سامان بھی ملتے جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ مگر تمہیں اسکی توفیق نہیں دی گئی۔ اور سامان نہیں دیئے گئے۔ پس معلوم ہوا کہ تمہارے لئے اللہ تعالےٰ نے یہی مقام مقدر کیا ہے۔ کہ تم گالیاں سنو۔ اور صبر کرو۔

(اوپر کی عبارت کو چھوڑ کر پھر مصری صاحب نے ذیل کا فقرہ چن لیا ہے)

اور اگر کوئی انسان سمجھتا ہے۔ کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے۔ تو میں اسے کہوں گا۔ کہ اے بے شرم تو آگے کیوں نہیں جاتا۔ اور اس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا۔ جس منہ سے تو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلوائی ہیں۔ گندے سے گندے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہے جاتے ہیں۔ تم خود دشمن سے وہ الفاظ کہلواتے ہو۔ اور تمہاری تگ و دو یہیں تک آکر ختم ہو جاتی ہے۔ کہ گورنمنٹ سے کہتے ہو۔ وہ تمہاری مدد کرے۔

(آگے ذیل کی عبارت پھر انہوں نے چھوڑ دی ہے)

گورنمنٹ کو کیا ضرورت ہے۔ کہ وہ تمہاری مدد کرے کیا اس کا اور تمہارا مذہب ایک ہے۔ یا اسکی تمہاری سیاست ایک ہے۔ گورنمنٹ اگر ہمدردی کرے گی تو ان لوگوں کی جو تمہارے دشمن ہیں۔ کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں۔ اور تم اقلیت میں۔ اور گورنمنٹوں کو اکثریت کی خوشنودی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس گورنمنٹ کو تم سے کس طرح ہمدردی ہو سکتی ہے۔ ہاں کو تو اسی وقت تک ہمدردی تمہارے ساتھ ہو سکتی ہے۔ جب تک تم خاموش رہو۔ اور دشمن کے مقابلہ میں صبر سے کام لو۔ اور اس صورت میں بھی صرف شریف حاکم تمہاری مدد کریں گے۔ اور کہیں گے۔ انہوں نے ہمیں فتنہ و فساد سے بچا لیا۔ مگر یہ خیال کرنا کہ گورنمنٹ اس وقت مدد کرے۔ جب دشمن تم کو گالیاں دے رہا ہو۔ اور تم جواب میں اسے گالیاں دے رہے ہو۔ نادانی ہے۔ اس وقت اسکی ہمدردی اکثریت کے ساتھ ہوگی۔ کیونکہ وہ جانتی ہے۔ اقلیت کچھ نہیں کر سکتی۔ پس گورنمنٹ سے اسی صورت میں تم امداد کی توقع کر سکتے ہو۔ جب خود قربانی کر کے لڑائی اور جھگڑے سے بچو۔ اور اس وقت بھی صرف شریف افسر تم سے ہمدردی کریں گے۔ اور کہیں گے۔ کہ انہوں نے ہماری بات مان لی۔ اور خاموش رہ کر اور صبر کر کے فتنہ و فساد کو بڑھنے نہ دیا۔ مگر رذیل حکام پھر بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے۔ اور کہیں گے کیا ہوا۔ اگر دشمن کا تھپڑ انہوں نے کھا لیا۔ وہ زیادہ تھے۔ اور یہ تھوڑے۔ اگر اکثریت سے ڈر کر تھپڑ کھا لیا ہے۔ تو یہ کوئی خوبی نہیں۔

(یہاں تک کہ عبارت کو حذف کر کے مصری صاحب نے اگلا فقرہ نقل کر دیا ہے) پس وہ تمہارے صبر کو بزدلی پر محمول کریں گے (اس کے بعد یہ فقرہ حذف کر دیا ہے۔ " اور تمہاری خاموشی کو کمزوری کا نتیجہ قرار دیں گے۔ پس" (اس کے بعد ذیل کا فقرہ نقل کر دیا ہے)

" تمہارا گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنا فضول ہے"

اب دیکھ لو۔ میرے فقروں کو کس طرح توڑ مروڑ کر اور کانٹ چھانٹ کر کوئی ٹکڑا کہیں سے اور کوئی کہیں سے لے کر پیش کیا ہے۔ اور پھر یہ شخص کہتا ہے۔ کہ میں

مصلح کی حیثیت سے کھڑا ہوا

ہوں۔ یاد رکھو۔ دین کی اصلاح صرف وہی کر سکتا ہے۔ جو سچائی کی مضبوط چٹان پر قائم ہو۔ اور اسکی دیانت تو اسی سے ظاہر ہے۔ کہ میں تو کہتا ہوں۔ کہ مارنا اور فساد کرنا قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کے خلاف ہے۔ میری تعلیم کے خلاف ہے۔ لیکن جو اس تعلیم کو غلط سمجھتا ہے وہ خود ذمہ وار ہے۔ وہ ہمارے ساتھ کیوں شامل ہے۔ یہ بالکل غیر شریفانہ بات ہے۔ کہ وہ شامل تو ہم میں ہے۔ مگر کام غیروں والے کرتا ہے۔ اور کہ میری رائے تو یہی ہے۔ لیکن اگر کوئی اس سے مخالف رائے رکھتا ہے۔ تو اسکی ذمہ واری اسی پر ہونی چاہیئے۔ جماعت اسے کیوں بچائے۔ کیا اس نے نظام کی پابندی کی ہے۔ پھر میں تو یہ کہتا ہوں۔ کہ دنیا میں انسان کو شرافت اور سچائی اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اگر وہ کسی کو مارنا چاہے۔ تو ہمارے ساتھ شامل نہ رہے۔ ان لوگوں میں چلا جائے۔ جو ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ

دوغلہ پن ٹھیک نہیں

کہ ملا تو رہے ہم میں اور کام وہ کرے جو ہم جائز نہیں سمجھتے۔ مگر یہ صاحب بیچ میں سے کئی کالم کے مضمون چھوڑ کر ایسے رنگ میں بات کو پیش کرتے ہیں۔ کہ گویا میں یہ کہہ رہا ہوں۔ کہ مخالفوں کو مارو اور ان کو فنا کر دو۔ بے شک ایک جگہ میں نے کہا ہے۔ کہ اگر ایسے چالیس آدمی میسر آجائیں۔ تو ہم دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ لیکن یہ اردو کا محاورہ ہے۔ کہ جب قانون بیان کرنا ہو۔ تو اس موقعہ پر بھی " ہم" کا لفظ استعمال کر دیتے ہیں۔ انگریزی میں ایسے موقعہ پر ایک کا لفظ استعمال کر دیتے ہیں۔ عربی میں یہ محاورہ ہے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ کہ " تم انصار یہ کہہ سکتے ہو۔ کہ ہم نے محمد (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اس وقت پناہ دی۔ جب اس کے وطن والوں نے اسکو نکال دیا۔ مگر اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تم میں سے بعض منافق طبع یوں کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ان الفاظ میں کہ اگر ان دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آجائیں۔ تو ہم دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ ایک قانون بیان کیا گیا ہے۔ ایک قاتل یا ڈاکو اٹھتا ہے۔ تو تمام علاقے میں دہشت پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح میں نے یہ کہا ہے۔ کہ اگر تم میں سے کوئی ڈاکو بننا چاہتا ہے۔ تو اسے چاہیئے۔ کہ جا کر ڈاکوؤں میں شامل ہو۔ لیکن اگر ہمارے ساتھ رہنا ہے۔ تو پھر مار کھاؤ۔ لیکن میرے ان الفاظ کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے اور اس سارے مضمون کو نظر انداز کر کے پھر ان الفاظ کو نقل کر دیا ہے۔ کہ " بہادر وہ ہے۔ جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے"۔

حالانکہ ان الفاظ میں تو میں نے

انسانی فطرت کا ذکر

کیا ہے۔ کیا دنیا میں ایسے لوگ نہیں گزرے سکندر اور نپولین وغیرہ ایسے ہی لوگ تھے۔ ایمان سے باہر بھی تو بہادری کے اظہار کے ذرائع ہیں۔ اسی کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ان الفاظ میں مومنوں کا میں نے ذکر نہیں کیا۔ کہتے ہیں۔ سکھ بڑے بہادر ہوتے ہیں۔ تو کیا اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ وہ پکے مومن ہوتے ہیں۔ یہ تو عام دنیوی اخلاق ہیں۔ جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر میں نے کہا تھا۔ کہ " ان دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔ جو کچھ میں سمجھتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں۔ کہ میں سچ سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ بہادر بنو مگر اس طرح کہ

مار کھانے کی عادت ڈالو

اگر ان الفاظ کو وہ ساتھ نقل کر دیتے۔ تو میرا مطلب واضح ہو جاتا۔ اس لئے ان الفاظ کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح میں نے تو لکھا تھا۔ کہ اگر تم جیتنا چاہتے ہو۔" مگر انہوں نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ کہ اگر تم جینا چاہتے ہو۔ جس سے ان کی غرض یہ ہے۔ کہ ذہن خالص احمدی نقطہ نگاہ کی طرف پھیرے عام قانون کی طرف لوگوں کی توجہ نہ ہو۔

یہ مصری صاحب کا حال ہے۔ وہ اس طرح بددیانتی کے ساتھ میرے فقروں کو پیش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ دعویٰ کرتے جاتے ہیں۔ کہ امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کا ایک حصہ گندہ ہو گیا ہے۔ اور مصری صاحب اسکی اصلاح کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔

ایک اور میرا فقرہ یہ ہے۔ کہ " شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں۔ یا انسان کو مرنا آتا ہو۔ یا انسان کو مارنا آتا ہو"۔ ان الفاظ کو تو نقل کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کا فقرہ کہ " ہمارا طریقہ مرنے کا ہے" چھوڑ دیا ہے۔ اس سے آگے جا کر میں نے کہا ہے۔ کہ " تم گالیاں سنو اور صبر کرو"۔ اسے چھوڑ کر اس کا یہ حصہ درج کر دیا ہے"۔ اے بے شرم تو آگے کیوں نہیں جاتا۔ اور اس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا۔ جس منہ سے تو نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دلوائی ہیں"۔ پھر اس سے آگے یہ فقرہ نقل کر کے کہ گورنمنٹ تمہاری مدد نہیں کرے گی۔ یہ فقرہ نقل کر دیا ہے۔ کہ وہ تمہارے صبر کو بزدلی پر محمول کریں گے۔ حالانکہ یہ فقرہ گورنمنٹ کے متعلق نہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں نے درمیان میں نقل کیا ہے۔ یہ فقرہ رذیل حکام کے متعلق ہے۔ اور میں نے صاف فرق کیا ہے۔ کہ گورنمنٹ کا شریف حصہ تمہاری قدر کریگا۔ مگر رذیل حکام تمہارے صبر کو بھی بزدلی قرار دیں گے۔ غرضیکہ

لا تقربوا الصلوٰۃ کہنے والے کی طرح

صرف کہیں کہیں سے کوئی کوئی ٹکڑا جو میرا عقیدہ نہیں۔ بلکہ دوسرے کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن میری طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ اور جو میرا عقیدہ وہاں بیان ہے۔ اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ دشمن جانتا ہے۔ کہ وہ سچ سے میرے مقابلہ پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آخر میں بھی مصنف ہوں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے تصنیف کا کام کرتا آرہا ہوں۔ میں نے سنہ ۱۹۰۷ء میں مضمون لکھنے شروع کئے۔ اور ایک دو مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی مجھ سے لکھوا کر اپنی طرف سے شائع کرائے۔ گویا آج اکتیس سال ہوئے۔ کہ میں تصنیف کا کام کر رہا ہوں۔ اس عرصہ میں میں نے سینکڑوں تقریریں کی ہیں۔ اور درجنوں اشتہار اور رسالے بھی شائع کئے ہیں۔ کوئی ثابت تو کرے۔ کہ میں نے بھی

کبھی کوئی غلط حوالہ دیا

ہے۔ میرے کسی حوالہ کو بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے بھی رکھ دو۔ پھر دیکھو کیا وہ یہ فیصلہ کرتا ہے۔ کہ میں نے کبھی کوئی حوالہ ارادتاً غلط کیا ہے مگر ان کو علیحدہ ہوئے ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا۔ کہ دیانت کا معیار اس قدر گر گیا ہے۔ اور پھر دعویٰ جماعت کی اصلاح کا ہے۔ تم کوئی ایک ہی مثال پیش کرو۔ کہ اللہ تعالےٰ نے کبھی

اپنی جماعت کی اصلاح کے لئے کسی جھوٹے کو لیڈر بنا کر کھڑا کیا ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے۔ کہ جب کوئی جماعت گندی ہو جائے اور خدا تعالےٰ نے اسے تباہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔ تب وہ فاجروں سے بھی یہ کام لے لیتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے کوئی چار سو سال بعد جب بغداد پر تباہی آئی۔ تو بغداد کے لوگ ایک بزرگ کے پاس گئے۔ اور کہا۔ کہ آپ دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ اس تباہی سے ہمیں بچالے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ میں دعا کیا کروں۔ میں تو جب بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوں۔ مجھے یہی آواز آتی ہے۔ کہ یاایہا الکفار اقتلوا الفجار۔ یعنی اے کافرو ان فاجروں کو تباہ کر دو۔ پس یا تو وہ یہ فیصلہ کریں۔ کہ وہ بے شک جھوٹے اور فریبی ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ ان کے ذریعہ احمدیت کو تباہ کر کے کوئی نیا دین قائم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ کہ احمدیت ایک صداقت ہے۔ تو پھر اسکی اصلاح کے لئے کوئی جھوٹا کھڑا نہیں ہو سکتا۔

میری یہ تحریریں جن میں اس طرح کتر و بیونت کی گئی ہے۔ کوئی پوشیدہ باتیں نہیں ہیں۔ بلکہ اخبار میں شائع شدہ ہیں۔ اور جو شخص ان **شائع شدہ تحریروں میں بھی بددیانتی** سے کام لے سکتا ہے۔ اس کی مثال اس چور کی سی ہے۔ جو لیمپ لے کر چوری کرنے جاتا ہے۔ یہ باتیں بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے میری صداقت کا ایک نشان ہے۔ باریک علمی نقطے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا خلافت کا مسئلہ بالکل واضح ہے۔ مگر ممکن ہے۔ کوئی شخص اس کو بھی اچھی طرح نہ سمجھ سکتا ہو۔ مگر کون ہے۔ جو ان باتوں کو بھی نہ سمجھ سکے۔ اور یہ معلوم نہ کر سکے۔ کہ میرے دشمن میرے مقابل پر کس طرح بد دیانتی۔ جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں۔ پھر اس مقدمہ میں **ایک اور نشان** بھی ہے۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قتل کے مقدمہ کے متعلق رؤیا ہو گئی تھی۔ اسی طرح اس مقدمہ میں مجھے بھی اللہ تعالےٰ کی طرف سے رؤیا ہوئی۔ جو بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ مجھے شیخ بشیر احمد صاحب نے فون پر اطلاع دی۔ کہ اس درخواست کے فیصلہ کے لئے جو تاریخ مقرر تھی۔ وہ بدل گئی ہے۔ پھر اس کے بعد دوبارہ اطلاع دی۔ کہ دوسری تاریخ جو مقرر تھی۔ وہ بھی بدل گئی ہے۔ میں نے انہیں کہا۔ کہ یہ تاریخوں کا بدلنا اچھا نہیں۔ کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے۔ کہ اس عرصہ میں۔ ججوں پر مخالف اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ میں بہت حیران تھا۔ کہ ہائیکورٹ کے جج تو بڑے پایہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان پر بیرونی اثر ڈالنا تو ناممکن ہے۔ پھر یہ رؤیا کس طرح پورا ہوگا۔ مگر خدا تعالےٰ نے اس کے بھی سامان پیدا کر دیئے۔ اور وہ اس طرح کہ ان لوگوں نے فخر الدین صاحب ملتانی کے لڑکے کی طرف سے ایک ٹریکٹ انگریزی میں شائع کرا کے ججوں کو بھجوا دیا۔ اور اسے مظلوم قرار دے کر ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس ٹریکٹ میں میرے حوالوں کو غلط طور پر کانٹ چھانٹ کر پیش کیا گیا ہے۔ اور ظاہر کیا گیا ہے۔ کہ گویا وہ لوگ بہت مظلوم ہیں۔ اور میاں فخر الدین کو میں نے مروا دیا ہے۔ یہ ٹریکٹ علاوہ دوسرے لوگوں کے بہت سے ججوں کو بھی بھجوایا گیا۔ اور اس طرح ججوں کے خیالات پر اثر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اللہ تعالےٰ نے ان کے اس منصوبہ کو بھی ناکام کیا۔ اور ججوں کو سچ تک پہنچنے کی توفیق دی۔ اور انہوں نے صاف کہہ دیا۔ کہ خطبہ میں ہرگز جسمانی سزا کی طرف کسی کو ترغیب نہیں دلائی گئی۔ بلکہ روحانی سزا کا ذکر ہے۔

عجیب بات یہ ہے۔ کہ یہ خطبہ جس کو غلط رنگ میں اور بگاڑ کر اس طرح پیش کیا گیا ہے۔ وہ فخر الدین صاحب کے جماعت سے اخراج سے بھی پہلے کا ہے۔ یہ خطبہ ۲۷ رمئی کا ہے۔ اور فخر الدین صاحب کا اخراج ۷ رجون کو ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ یہ بھی میری صداقت کے نشان دکھا رہا ہے۔ ان سے ایسے جھوٹ بلوا کر یہ بتا رہا ہے۔ کہ جو لوگ اخبار میں شائع شدہ تحریروں میں اس طرح بد دیانتی سے کام لے رہے ہیں۔ اور جھوٹ بول رہے ہیں۔ وہ میری پرائیوٹ زندگی پر جو الزام لگاتے ہیں۔ وہ کس حد تک قابل اعتبار ہو سکتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں ایک دفعہ ایک یہودی آیا۔ اور کہا۔ کہ آپ نے میرا فلاں قرض دینا ہے۔ اس نے خیال کیا ہوگا۔ کہ آپ کو یاد نہیں ہوگا۔ اس لئے دوبارہ وصول کر لوں۔ یا ممکن ہے۔ وہ واقعی بھول گیا ہو۔ اس طرح کئی لوگ مجھ سے دوبارہ وصول کر لیتے ہیں۔ مگر جب آپ نے فرمایا۔ کہ میں تو ادا کر چکا ہوں۔ تو ایک صحابی نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ میں گواہ ہوں۔ کہ آپ نے ادا کر دیا ہوا ہے۔ اور جب اس صحابی نے پورے وثوق سے گواہی دی۔ تو اس یہودی نے بھی کہا۔ کہ ہاں مجھے یاد آگیا۔ آپ ادا کر چکے ہیں۔ اس کے جانے کے بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس صحابی سے پوچھا۔ کہ تم تو اس وقت موجود نہیں تھے۔ تمہیں کس طرح معلوم ہے۔ کہ میں نے وہ قرض ادا کر دیا ہوا ہے۔ تو اس صحابی نے کہا۔ یا رسول اللہ آپ کہتے ہیں۔ آپ پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ حالانکہ اسے نہ ہم دیکھتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور۔ اور ہم ایمان لے آتے ہیں۔ اور اٰمنا و صدقنا کہہ دیتے ہیں۔ تو پھر اس معمولی سی بات کے صحیح ہونے کی گواہی میں ہمیں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ سچائی کی طرح یہی اصل جھوٹ پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ جو شخص اخبار میں **چھپے ہوئے خطبہ کے متعلق اس طرح دلیری کے ساتھ جھوٹ** بول سکتا ہے۔ پوشیدہ زندگی کے متعلق اس کی بات کس طرح قابل اعتبار سمجھی جا سکتی ہے پس یہ الٰہی فعل ہے۔ جس سے وہ مومنوں کی مدد کرتا اور دشمنوں کی ذلت کے سامان پیدا کرتا ہے۔ مصری صاحب کا دعوےٰ ہے کہ وہ جماعت احمدیہ کی اصلاح کریں گے۔

حالانکہ اس جماعت کو اس عظیم الشان نبی نے قائم کیا ہے۔ جس کی خبر حضرت نوح ع حضرت موسیٰ ع حضرت عیسیٰ ع اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دی ہے۔ اور ایسے عظیم الشان نبی کی جماعت میں جبکہ ابھی اس کے صحابہ اسمیں زندہ موجود ہیں۔ اگر فتور آجائے۔ تو اسکی اصلاح کے لئے جو شخص کھڑا ہو۔ وہ تقوےٰ اور دیانت کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دوسرے درجہ پر تو ضرور ہونا چاہیئے۔ لیکن جو شخص چھپی ہوئی تحریروں کو اس طرح بد دیانتی سے پیش کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ اگر کیس چلا۔ تو اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔ اور ان فقروں کو جو میں نے دشمن کے منہ میں ڈالے تھے۔ دیدہ دلیری کے ساتھ میری طرف منسوب کرتا ہے۔ تم اس کے **ایمان اور تقویٰ کا اندازہ** باسانی کر سکتے ہو۔ اور یہ وہ شخص ہے۔ جو کہتا ہے۔ کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی اصلاح کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔

(الفضل)

نوٹ کر لیں۔ چونکہ حضرت صاحب کا خطبہ اسدفعہ بہت لمبا تھا۔ اسلیئے اخبار بجائے ۱۲ صفحہ کے ۱۶ صفحہ کا شائع کر دیا۔ اگلا پرچہ ۸ صفحہ کا ہوگا۔ یاد رکھیں

(مینیجر)

فتویٰ

نابالغہ کے بالغ ہونے پر نکاح فسخ کرانے اور بٹہ کے نکاح کے متعلق

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح ایک شخص سے لڑکی کے باپ نے بغیر رضامندی لڑکی کے اپنے بھائی کے لئے بٹہ کا رشتہ لے کر کر دیا۔ اب وہ لڑکی بالغہ اس کے ہاں نہیں جاتی۔ کیا اس کے باپ کا فعل شریعت کے مطابق تھا؟ آپ مہربانی فرما کر باحوالہ کتب شرعیہ جواب فرمائیں۔ کہ لڑکی مذکورہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب

نابالغہ کو بلوغ کے بعد فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ اگر خاوند کے ہاں آباد ہو چکی ہے۔ تو پھر اختیار نہیں۔ لیکن اس میں دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ آباد ہونا بلوغ کے بعد ہو۔ دوم یہ کہ والدین نے جبرًا نہ بھیجی ہو۔ اگر ان دونوں شرطوں سے کوئی فوت ہو جائے۔ تو عورت کو فسخ کا اختیار ہے۔ جو بذریعہ پنچایت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ کہ لڑکی سے اذن لیکر نکاح کرنا چاہیئے اور نابالغہ قابل اذن نہیں۔ اس لئے وہ اپنا حق بعد بلوغ لے سکتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے۔ کہ اس کو فسخ کا اختیار ہو۔ اور رضامندی سے آباد ہونے کے بعد اسکو اس لئے اختیار نہیں رہتا۔ کہ جب وہ ایک مرتبہ راضی ہو گئی۔ تو اس نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ اب اس کا دوبارہ مطالبہ کرنا بیجا ہے۔ اور والدین جبرًا بھیجدیں۔ تو اس صورت میں فسخ نکاح کا اختیار باقی رہتا ہے۔ کیونکہ اسکی رضامندی نہیں پائی گئی۔

نیز سوال میں ذکر ہے۔ کہ یہ نکاح بٹہ کا ہوا ہے اور نکاح بٹہ شرعًا حرام ہے۔ نکاح بٹہ میں اگر یہ لڑکی آباد بھی ہو چکی ہوتی۔ تو بھی نکاح فسخ ہے اس لئے اس لڑکی کا نکاح جہاں مرضی ہو۔ کر دیا جائے۔ اور جو لڑکی اس کے بٹہ میں ہے۔ اس کا نکاح بھی دوسری جگہ کر دیا جائے۔ یا اسکی رضامندی سے دوبارہ نکاح اسی جگہ پڑھ دیا جائے جہاں اب وہ بس رہی ہے۔ کم از کم ایک حیض تک جدا کر دیا جائے۔ اس گھر سے علیحدہ رہے۔ پھر اسکی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو۔ اور مہر وغیرہ بھی الگ ہو۔ (تنظیم اہلحدیث)

سائنس کا نیا کرشمہ

حرکت قلب بند ہونے کے باعث مرنیوالے زندہ ہو جائینگے

مردہ حیوانوں اور انسانوں کے مختلف تدابیر پچکاریوں اور آلات کے ذریعہ دوبارہ زندہ کر دینے کے بہت سے واقعات سننے میں آچکے ہیں اور کئی سائنسدان یہ دعوے کرتے سنے گئے ہیں۔ کہ وہ مردہ ہستیوں کو زندگی سے دوبارہ ہمکنار کرا سکتے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر البرٹ ایس ہائمن نے ایک برقی آلہ ایجاد کیا ہے۔ جو مردہ حیوانوں اور انسان کو چشم زدن میں دوبارہ زندہ کر دیتا ہے کیونکہ اس کے استعمال سے دل کی حرکت فوراً بحال ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر نے اپنے آلہ کا نام "آرٹی فیشل پیس میکر" رکھا ہے۔ اسے نہ صرف یقین ہے۔ بلکہ اس نے آلہ کی معجزہ نما صفت کا مظاہرہ بھی کرا دیا ہے۔ ڈاکٹر نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ اگر زندگی دیر تک بھی معطل رہے۔ اور دل کی حرکت بند رہے۔ تو بھی اس کے آلہ کی مدد سے مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ اس نے اس بات کا ثبوت بھی بہم پہنچا دیا۔ کہ دل کی حرکت بند ہونے سے موت لازم نہیں آتی۔ ایسے اشخاص جن کو رشتہ دار اور ڈاکٹر بالکل مردہ قرار دے چکے تھے۔ وہ بھی زندہ کروائے گئے اس آلہ نے یہ ثابت کر دیا ہے۔ کہ اس کے استعمال میں بڑے کارہائے نمایاں مخفی ہیں۔

برقی طاقت کی پیدائش۔ اس ایجاد کی خوبی کیا ہے؟ وہ ایک برقی آلہ ہے اور اسمیں اسی قسم کی قوت برق پیدا کرنے کی صفت ہے۔ جیسی کہ خود دل کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ واضح رہے۔ کہ دل کی معمولی حرکت ایک ننھی برقی رَو سے پیدا ہو کر تمام دل میں گھومتی رہتی ہے۔ وہ باقاعدہ طور پر ایک منٹ میں ۷۲ مرتبہ گردش کرتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے دل کے اعصاب سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ ان ننھی ننھی کوٹھڑیوں کی جماعت جن سے یہ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ وہ دل کے بالائی گوشہ کی دیوار میں مخفی رہتی ہے۔

کوئی دس سال ہوئے کہ ڈاکٹر ہائمن کو یہ شبہ ہونے لگا۔ کہ بند دل میں حرکت پیدا کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ کسی آلہ سے ویسی ہی برقی قوت پیدا کی جائے۔ جیسی کہ خود دل سے ظہور میں آتی ہے۔ اس نے اس سلسلہ میں بہت سے تجربات کئے۔ اور وہ برقی قوت معلوم کر لی جس کی اسے ضرورت تھی۔ اسے پتہ لگ گیا۔ کہ ایک وولٹ برق کا ہزارواں حصہ زندگی بحال کرنے کے لئے کافی ہوگا۔

مردہ جانور آلہ کی مدد سے زندہ ہو گیا

انسانوں پر تجربہ کرنے سے پہلے ڈاکٹر نے ایک جانور کا گلا گھونٹ کر اس کے دل کی حرکت بند کر دی۔ کچھ منٹ تک جانور بالکل بے حس و حرکت پڑا رہا۔ ڈاکٹر اپنے آلہ کو حرکت میں لایا جس سے جانور کے دل نے خون اپنے اندر کھینچنا شروع کیا۔ آخر تمام خون اسکی رگوں اور پٹھوں میں حرکت کرنے لگا۔ حتیٰ کہ اس کے دل کی حرکت جاری ہو گئی۔ اور وہ زندہ ہو گیا۔ اور اپنے سامنے پڑے ہوئے پتوں کو کھانے لگا۔ کیونکہ اسے ایسی دنیا سے واپس بلا لیا گیا۔ جہاں جا کر کوئی مسافر واپس نہیں آتا۔

اس وقت تک لیبوریٹریوں میں آلہ کے عمل سے بہت سے تجربات ہو چکے تھے۔ اس کے بعد آلہ کی آزمائش انسان پر کی گئی اول یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ آزمائش صرف ان ہی مریض انسانوں پر کی جائے۔ جن کو مردہ قرار دیا گیا ہے۔ اور جن میں زندگی بحال کرنے کے دیگر تمام ذرائع ناکام رہے ہیں۔

ڈاکٹروں کی ناکامی

پہلی آزمائش نہایت نامبارک حالات میں کرنی پڑی۔ ایک ادھیڑ مریض جو نمونیا میں مبتلا تھا۔ اسے ہسپتال میں پہنچایا گیا۔ تاکہ اس کے پھیپھڑوں کے غاروں میں جو پیپ پڑ گئی ہے۔ اسے آلات کے ذریعہ خشک کیا جائے۔ اس کے لئے اس کا اپریشن کیا گیا۔ تو دل میں پھڑپھڑاہٹ پیدا ہو کر اسکی حرکت بند ہو گئی۔ جو بحال نہ کی جا سکی۔ ڈاکٹروں نے اس کے دل میں اڈرینالن دوا بذریعہ پچکاری داخل کر کے اسکی زندگی بچا لینے کے لئے کوشش کی۔ لیکن ان کی کوششیں رائیگاں گئیں۔ اور دل کی حرکت بالکل بند رہی۔ پانچ منٹ بعد ڈاکٹروں کو اسکی کوئی امید نہ رہی۔ کہ اسکی زندگی بحال ہو سکتی ہے۔ اس لئے انہوں نے تجویز کی۔ کہ اسکی لاش وہاں سے اٹھا دی جائے۔

مردہ مریض زندہ ہو گیا۔

اس وقت ایک ڈاکٹر نے کہا۔ کہ ڈاکٹر ہائمن کو کیوں نہ بلایا جائے۔ جو اپنا آلہ لئے ہوئے ہسپتال میں بیٹھا ہوا ہے۔ چنانچہ اسے بلایا گیا۔ تو وہ اس سے آٹھ منٹ بعد پہنچا۔ جبکہ ڈاکٹر اس شخص کے قطعی مردہ ہونے کا فتویٰ صادر کر چکے تھے۔ اس نے وہی احتیاطیں کیں۔ جو سرجری میں کی جاتی ہیں۔ اور اپنے آلہ کی سوئی مردے کی تیسری اور چوتھی پسلی کے درمیان دائیں جانب داخل کر دی۔ سوئی دل سے جا کر لگی۔ تو حیرت انگیز کرشمہ کا ظہور ہوا۔ گویا جادو ہو گیا۔ کیونکہ مردہ دل میں حرکت شروع ہو گئی۔ مردے کے چہرے کی رنگت بحال ہو گئی۔ اور اس سے وہ تمام حرکات صادر ہونے لگیں۔ جو زندہ انسان دکھاتے ہیں۔ وہ درحقیقت زندہ ہو گیا۔ اور کئی دن تک بقید حیات رہا۔ لیکن مرض نمونیہ سے وہ مہلک طور پر کمزور ہو چکا تھا۔ اس لئے آخرکار اسے موت آ گئی۔

ڈاکٹر ہائمن نے بعد والے مہینوں میں ان متعدد لوگوں پر آلہ کا تجربہ کیا۔ جن کے دل کی حرکت بند ہو گئی تھی۔ نتائج نہایت تسلی بخش نکلے۔ دم گھٹنے سے۔ پانی میں غرق ہونے سے اور دیگر اسباب سے جن لوگوں کے دل کی حرکت مفقود ہو چکی تھی۔ ان میں یہ حرکت دوبارہ پیدا کر کے ان کی زندگی بحال کر دی گئی۔

آلہ کی داستان

اس آلہ کے رفتہ رفتہ موجودہ صورت اور جسامت میں آنے کی داستان بھی عجیب و غریب ہے۔ ابتدا میں وہ بڑا اور پیچیدہ تھا اور اس کا وزن ۹۰ پونڈ تھا۔ اس سے لیبوریٹریوں میں کام لیا جاتا تھا۔ وہ بہت جگہ گھیرتا تھا۔ اور اسکی قیمت ۱۲۰۰۰ ڈالر تھی۔ ۱۹۳۱ء میں اس کی جسامت گھٹا کر اتنی کر دی گئی۔ جتنی کہ ایک سوٹ کیس کی ہوتی ہے۔ اور اس کا وزن ۴۰ پونڈ رہ گیا۔ تین سال بعد اس کا ایک نمونہ تیار کیا گیا۔ جو سگار بکس کے برابر تھا۔ آخرکار ۱۹۳۶ء میں ہائمن نے ایسا آلہ تیار کیا۔ جو صرف ۶ انچ لمبا ہے۔ اور جس کا وزن ایک پونڈ سے کم ہے۔ وہ کوٹ کی جیب میں لگایا جا سکتا ہے اور اس میں قوت برق پیدا کرنے کی تمام صفات ہیں۔ جو ابتدائی آلہ میں تھیں۔ اسکی قیمت ۵۰ ڈالر ہے۔ مگر وہ فروخت نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اسے امراض قلب کا ایک ادارہ مفت اور پرائیویٹ طور پر تقسیم کرتا ہے۔ اس کا ارادہ ہے۔ کہ ہسپتالوں کے لئے یہ آلہ مفت دیا جائے اس وقت اس آلہ سے دوسرے ڈاکٹروں کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقعہ مل جائے گا۔

(ماخوذ)

مہاراجہ صاحب پٹیالہ کی حالت

اخبار پارس لاہور رقمطراز ہے۔ کہ مہاراجہ پٹیالہ کی حالت خطرہ سے خالی نہیں۔ فالج کے حملہ سے انکی ایک آنکھ بالکل خراب ہو گئی ہے۔ ان کی جسمانی طاقت بالکل زائل ہو چکی ہے۔ بے حد کمزور اور لاغر ہو گئے ہیں۔ اکثر اوقات اپنے دوستوں اور اہلکاروں کو پہچان بھی نہیں سکتے۔ ان کے دوستوں کا حلقہ چونکہ بہت وسیع ہے۔ اس لئے ہوائی جہاز ریل اور کار کے ذریعے بہت سے راجے مہاراجے اور نواب ان کی تیمارداری کے لئے پٹیالہ میں روزانہ پہنچتے ہیں۔ اور مزاج پرسی کے بعد واپس چلے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ تھوڑے دنوں تک ہز ایگزالٹیڈ ہائینس نظام صاحب حیدرآباد بھی پٹیالہ پہنچنے والے ہیں۔ جہاں وہ دو دن تک قیام فرمائیں گے۔ مہاراجہ کے علاج پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ ڈاکٹر بی۔ سی رائے ڈاکٹر نیل رتن سرکار اور کرنل امیر چند بھنڈاری کے علاوہ ایک فرانسیسی ڈاکٹر بھی پٹیالہ میں موجود ہے۔ جسے قریباً ایک لاکھ روپیہ بطور فیس ادا کیا جائیگا۔

مہاراجہ کے حرم میں اس وقت گیارہ رانیوں کے علاوہ قریباً پانصد داشتہ عورتیں اور خوبصورت لونڈیاں ہیں۔ اور ایسی صورت میں جبکہ مہاراجہ کے صحتیاب ہونے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔ تو یوراج اور دیگر ذمہ وار اہلکاروں کے یہ مسئلہ زیر غور ہے۔ کہ پانصد داشتہ عورتوں کو ان کی زندگی میں ہی رہا کر دیا جائے۔ ...... تاکہ آزاد ہو کر وہ مہاراجہ کے حق میں دعائے خیر کریں۔

ڈیوک آف ونڈسر اور شاہ جارج پیرس میں ایک دوسرے کو نہیں مل سکیں گے۔

برطانوی میگزین کیولکیڈ میں شہنشاہ جارج ششم اور سابق شاہ ایڈورڈ کے متعلق طرح طرح کے افسانے شائع ہو رہے ہیں۔ جب سے یہ اطلاع ملی ہے کہ ملک معظم اور ملکہ الزبتھ جون کے آخر میں تین دن کیلئے شاہی سفر پر پیرس جانیوالے ہیں۔ اسی وقت سے دونوں بھائیوں کی ملاقات کے متعلق عجیب عجیب خبریں مشہور ہو رہی ہیں۔ کیولکیڈ اخبار نے لکھا ہے۔ کہ ملک معظم اس عقدہ کو حل نہیں کر سکے۔ کہ وہ پیرس جا کر کیوں اپنے بھائی سے دور دور رہیں۔ نہ یہ بات ان کی سمجھ میں آتی ہے۔ کہ ان کے پہنچتے ہی سابق شاہ ایڈورڈ پیرس سے بھی کیوں چلے جائیں۔ ملکہ الزبتھ پر بھی ان حالات نے بڑا اثر کیا ہے۔ اور وہ بھی اس گتھی کو سلجھانے کی فکر میں ہیں۔ بھائی کی محبت ملک معظم کو مجبور کر رہی ہے کہ وہ سابق شاہ ایڈورڈ سے ضرور ملیں۔ لیکن سابق شاہ کی بیگم کو شاہی خاندان کا فرد چونکہ اب تک نہیں تسلیم کیا گیا۔ اسی لئے یہی سب سے بڑی رکاوٹ پیش آ رہی ہے۔ سابق شاہ ایڈورڈ اس پر بضد ہیں۔ کہ جب تک ان کی ڈچز کو شاہی حقوق و مراعات نہ دی جائیں گی۔ وہ انگلستان واپس نہیں جائیں گے۔ کابینہ کے افراد کا یہ مشورہ ہے۔ کہ ڈچز ونڈزر کو اگر شاہی مراعات دی گئیں۔ تو سخت دشواریاں پیش آئیں گی۔

خالصہ مشن

جنم ساکھی بابا نانک صاحب۔ سو ساکھی دسم گرو صاحب

میں نے جس قدر سکھ لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ جتنی جنم ساکھیاں گرو نانک صاحب۔ یا سو ساکھیاں دسم گرو صاحب کی لکھی گئی ہیں۔ سب اعتقادی طور پر لکھی گئی ہیں۔ سب یوں لکھتے ہیں۔ کہ اتہاس میں یہ لکھا ہے۔ کہ گرو صاحب وہاں گئے ہیں۔ یہ معجزہ کیا۔ وہ عجیب کام کیا۔ جس سے تمام خلقت پیریں ڈھے پئی (یعنی پاؤں پر گر پڑی) نہ اس واقعہ کا کوئی چشم دید گواہ ہوتا ہے۔ نہ کوئی سن۔ نہ کوئی تاریخ اگر کسی شخص کا نام لکھتے ہیں۔ تو اس بات کا کوئی ذکر نہیں ہوتا۔ کہ وہ کس پائے کا آدمی اور کہاں کا رہنے والا تھا۔ گویا جو کسی کی مرضی ہوتی ہے۔ وہ تحریر کر جاتا ہے۔ بعد میں آنے والی نسلیں اسکو مستند مان لیتی ہیں۔

سکھوں کے گاؤں میں قریبًا بہت سے گھروں میں بھائی بالے والی جنم ساکھیاں رومالوں میں لپیٹی ہوئی بڑے ادب سے رکھی ہیں۔ اور سکھ لوگ بڑی شردھا سے پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ تو اسکو گرو گرنتھ صاحب سے کم نہیں مانتے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بابا لہنا جی یعنی دوسرے گرو صاحب نے (جن کو انگد صاحب کہتے ہیں) بھائی بالا کو تلونڈی یعنی ننکانہ صاحب سے بلا کر سب حال دریافت کر کے پیڑا مل کھتری سے لکھوائی۔ اسکی طرف سے بھائی منی سنگھ جی نے دیکھ کر اپنی جنم ساکھی گرو نانک صاحب کے حالات پر لکھی۔ پھر بھائی سنتوکھ سنگھ نے نانک پرکاش لکھا۔ اور بھائی گیان سنگھ نے خالصہ تواریخ لکھی۔

لیکن اب ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب کے مقدمہ میں شہادت دیتے ہوئے سکھ گواہوں نے کہا۔ کہ ہم بھائی بالا والی جنم ساکھی کو نہیں مانتے میرے خیال میں اگر بھائی بالا والی جنم ساکھی کو نہ مانا جاوے۔ تو گرو گرنتھ صاحب کے ساتھ جو ناموں اور جگہوں کا ذکر آتا ہے۔ اس کا کچھ پتہ نہیں لگ سکتا۔ کہ یہ بات گرو صاحب نے کہاں اور کیوں کہی؟ اور کس کو کہی۔ اور پھر نانک پرکاش مصنفہ بھائی سنتوکھ سنگھ۔ جنم ساکھی بھائی منی سنگھ و خالصہ تواریخ بھائی گیان سنگھ والی کا کیا اعتبار ہے۔ جنہوں نے بھائی بالے والی جنم ساکھی کو دیکھکر حالات لکھے ہیں۔ آج کل کے سکھ ودوان بھی کوئی معتبر و مستند جنم ساکھی گرو نانک صاحب جی کی پیش کرنے میں معذور دکھلائی دیتے ہیں۔ اور اگر اس چار سو سال کے عرصہ میں صحیح صحیح حالات نہیں ملے۔ تو آئندہ کہاں سے ملیں گے۔ جب نہیں ملیں گے۔ تو جو کسی کی مرضی ہے۔ آج سابقہ کی طرح لکھ کر چھوڑ جاوے۔ ایک صدی کے بعد آنے والے انہیں باتوں کو مستند مان لیں گے۔

بھائی ویر سنگھ جی جیسے ودوان بھی لکھتے ہیں۔ کہ "اصل وِچ اتہاس کھوج دا کم ساڈے وِچ اجے ٹھیک طرح نال نہیں ہویا"۔ اونہاں لکھتاں دی ٹول جو ستگراں دے جیون سماچاراں بابت اتہاس کاراں نے لکھے ہیں ایس پاسے سانوں اُداس دا منہ ضرور دیکھنا پیندا ہے۔ کیونکہ شروع توں انت تک سارے ستگراں دے حالات اُنہاں دے سمیں ہی قلمبند کیتے ہوئے سانوں کسے اک تھاؤں نہیں مِلدے۔ ٹول کرن نے کچھ سامان ملائے ہیں۔ ہور ٹول ہووے۔ تاں ہور کچھ بھی لبھ سکدا ہے پھر کئی سامان ایسے ملدے ہیں۔ جو اتہاسک چھان بین دے محتاج ہیں۔ تے جنہاں نوں گربانی دی روشنی وِچ تے اوپرلی دسی کسوٹی اُتے پرکھن دی بھی لوڑ ہے۔

جو گرو نانک دیو جی دے اوتار سمے یعنی بالپنے دے حال سے۔ سو آپ پاس یعنی گرو انگد جی صاحب کے پاس نہیں سے۔ ایس لئی آپنے سری گرو نانک دیو جی دی بالک عمر دے چوجاں (کھیل)، دے اکھیں دیکھن والے دی بھال کیتی۔ سبھ توں پہلاں اوہ حالات جو ایس اکھیں دیکھن والے یعنی بھائی بالے دی جنم ساکھی توں لبھے۔ اوہ لکھوائے تے اسدا نام جنم ساکھی رکھیا جنم ساکھی دا پہلا ارتھ یعنی معنے ہے "جنم سمیں دے حالات دی اکھیں ڈِٹھی اُگاہی"۔ "یا اکھیں دیکھن والا گواہ"۔

اب بھائی ویر سنگھ جی لکھتے ہیں:۔ "جیکر اُہ جنم ساکھی جو گرو انگد جی نے لکھوائی تھی۔ ہُندی تاں ساڈے پاس پہلے ستگراں دا یعنی بابا نانک جی دا مفصل حال ہُندا۔ مگر سانوں بھائی سنتوکھ سنگھ مصنف نانک پرکاش توں بھائی کرم سنگھ ہسٹارین تے میکالف مترجم انگریزی گرنتھ صاحب تک سارے وسدے ہیں۔ اِہ پوتھی تباہ کیتی گئی تے ایس دی تھاویں بھائی بالے والی جنم ساکھی دسم پاتشاہ (گرو گوبند سنگھ جی صاحب) دے وقت یا کچھ بعد کسے نے بہت وَدھ گھٹ کر کے جلادتی۔ ایک اور چیز سانوں ایسے کام دی ملدی ہے۔ جس نوں پوراتن جنم ساکھی آکھی دا ہے۔ ایسے نوں حافظ آباد والی۔ میکالف والی تے ولایت والی ساکھی بھی آکھدے ہیں۔ فرق صرف نام دا ہے۔ اِہ چھیویں ستگراندے (گرو ہرگوبند جی) وقت لکھی گئی تھی۔ شک کیتا جا سکدا ہے۔ کہ شاید ایہو ساکھی ہووے۔ جو دوسرے ستگراں یعنی گرو انگد جی نے لکھوائی تھی۔ پر ایس پوتھی دے اندر گواہی موجود ہے۔ کہ اِہ کسے نے چھیویں گرو صاحب کے وقت لکھی ہے۔ تے کھوجی یعنی تلاش کرنیوالے بتلاتے ہیں۔ کہ پنڈی گھیپ دے پاس دے کسے سیوا داس نامی دی اِہ تصنیف ہے۔ اِہ نام سر سردار عطر سنگھ جی نے بتلایا تھا۔ میکالف بھی لکھدا ہے۔ کہ مینوں اُنہاں توں پتہ لگا ہے۔ اِہ بھی شوہ (پتہ) ہے۔ کہ سیوا داس گھیپ دے علاقہ دا تھا۔ ایس پوتھی وِچ کلجگ دا بیتیا سمت ۴۷۳۵ دِتا ہے۔ ایس حساب بکرمی سمت سنہ ۱۶۹۲ بکرمی بندا ہے۔ جو چھیویں گرو صاحب دا وقت ہے۔ ہُن والی جو جنم ساکھی بابے والی کہی دی ہے۔ ایس وچوں پتہ لگ جاندا ہے۔ کہ ایس آدمی پاس پنڈی گھیپ والی جنم ساکھی بھی تھی۔ تے بابے والی جنم ساکھی توں بھی پتہ لگدا ہے۔ جنہاں توں شک پے جاندا ہے۔ کہ ایس دے پاس کوئی ہور جنم ساکھی بھی تھی۔ سو اس طرح مفصل اتہاس دا پہلا اصلی سامان تاں اجے نہیں لبھا اُسدا وِگڑیا روپ بھائی بالا والی جنم ساکھی ساڈے پاس ہے۔ دوسری چیز پوراتن جنم ساکھی حافظ آباد والی ہے۔ جو پہلی پاتشاہی (گرو نانک جی) توں مگروں اتنے تھوڑے عرصہ بعد لکھی گئی ہے۔ کہ اُس وِچوں جو سامان مِلدا ہے۔ ہورناں نالوں وَدھیک ہووے گا۔ مگر آجتک اصل حالات ڈھونڈھنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ ہو سکدا ہے کہ مفصل اصل حالات مل جاون۔ کیونکہ بھائی بُڈھے دی لکھی پنج سو ساکھی دا نام سنائی دے رہا ہے۔ جو قتل عام ہوئے۔ معلوم نہیں۔ اُن میں سکھوں کی کتنی کتابیں تباہ ہوئیں۔ لکھپت والی قتل عام میں تو سکھوں کی کتابیں جلانے کا خاص بندوبست تھا۔ جو ضد نال پورا کیتا جاندا سی۔ پتہ نہیں۔ کتنا کچھ اس وقت ضائع ہو گیا۔ جو سانوں لبھ نہیں سکدا۔ اِہ اِک وجہ ہے۔ جو مفصل اتہاس دی سکھ لٹریچر میں کمی ہے۔ اِہ بھی ہو سکدا ہے۔ کہ باقی ستگراں دیاں ساکھیاں ایس عرصے میں کسی نے نہ لکھیاں ہون۔ لکھپت تے اُسدے حاکماں دا پوتھیاں تباہ کرنا اور ہندالیئے کا اصلی جنم ساکھی کو تباہ کرنا تو بالکل سچی بات ہے۔ چُپ چاپ بھی بڑی تباہی ہو رہی ہے۔ سانوں پتہ لگا ہے۔ کہ اِک خاندان دیاں کتاباں جو کئی بوریاں وِچ سن ردی میں فروخت کر دِتیاں گیاں۔ اِک پورانے سکھ خاندان دیاں اِستریاں نے گھر میں پڑے پورانے کاغذات پورا سیال پوتھیاں بھگو کر گاچنی ڈال کر چھکو بنا لیئے۔ اور ہور سکھ دے گھروں پتہ لگا سی۔ کہ ساڈے گھر کئی بوریاں کاغذاں پوتھیاں دیاں سی۔ میری گھر والی سکاں دی تھاں اگ جلان لئی ورتدی رہی ہے۔ اس توں پتہ لگا ہے۔ کہ کوئی جتن ہن بھی ہووے۔ تاں بہتیرا سکھ اتہاس بچ سکدا ہے۔

سو ساکھی دا حال سُندے ہاں۔ کہ اُس وِچ دساں ہی گراں کے حالات سے۔ تے اُسدے لکھاری بابے بُڈھے دا خاندان سی۔ پر اوہ ایس وقت اجے لبھ نہیں سکی۔ ایس وچوں سو ساکھی بھنی توڑی ہوئی تاں ملدی ہے۔ سو ساکھی دے مصنف جیسے دیدہ دانستہ دھوکہ دیتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ سو سال سکھاں نوں ایس پُستک حیران کیتا ہے۔ خاصکر نام دھاریاں نے اِس پر بڑا بھروسہ رکھا ہے۔ بھائی سنتوکھ سنگھ جی نے ایسے پوتھی نوں سارا سچ من کر کئی ایک غلطیاں کھادیاں ہَین۔ بھائی کرم سنگھ جی ہسٹورین ترامدیکدان نے لکھیا تھا۔ کہ میں نے سردار مان سنگھ جی کے پاس سمت ۱۸۵۶ بکرمی کی سو ساکھی دیکھی تھی۔ مگر سردار مان سنگھ جی پاس ایسی پوتھی اب کوئی نہیں ہے۔ نہ ہی ان کو سمت یاد ہے۔ سو ساکھی میں جو پیشگوئیاں ہیں۔ جن کی سکھوں میں خاصکر نام دھاریوں میں دھوم دھام ہے۔ وہ اصلی پوتھی میں تھیں یا نہیں۔ اگر تھیں تو کیا تھیں؟ پر ہُن والی پوتھی میں کم و بیش ہیں۔ سانوں تحقیقات کردے ہوئے اِہ بھی پتہ لگا ہے۔ کہ سچ مچ سو ساکھی جو پہلے تھی۔ اس کو توڑ مروڑ کر نئی بنائی گئی تھی۔ سرہند دے فتح گڑھ صاحب دے گرنتھی سنگھ بھائی کشن سنگھ جی جو ساکھی کے سمجھاؤں میں جو اپنے وقت میں اچھے عقلمند سمجھے جاتے سے۔ افسوس ہے کہ آپ چند مہینے ہوئے ۸۵ سال کی عمر پا کر فوت ہو گئے۔ تا آپ نے کچھ برس ہوئے۔ سو ساکھی بابت حال بتلایا تھا۔ جس نوں سنن والیاں وچ پٹیالہ ہائی کورٹ دے ایک جج صاحب (بھائی مان سنگھ جی بی۔ اے ایل ایل۔ بی جو آج کل گوردوارہ ٹربیونل دے جج ہَین۔

جو اس وقت پٹیالہ ہائیکورٹ میں جج تھے۔ آپ بھائی کشن سنگھ سے سوساکھی پڑھا کرتے تھے۔ آپ نے بتلایا تھا۔ کہ میں سوساکھی کے معنے ۱۹۳۴ بکرمی میں بھائی ہردت سنگھ جی سے انچلا نگر پڑھے تھے۔ جو اس وقت خاصے بوڑھے تھے۔ آپ نے یہ بھی بتلایا تھا۔ کہ بھائی ہردت سنگھ جی نے ان کو بتلایا تھا۔ کہ جب وہ جوان تھے۔ اس وقت منڈلی سی بنی تھی جس میں ایک دوست سکھ گورمکھ سنگھ ایک نہنگ بھی تھے۔ جن کا نام البیل سنگھ تھا۔ دو برہمن اور ایک دیوا سنگھ نام کا سکھ تھا۔ برہمن ایک بڑا اور ایک چھوٹا تھا۔ اس وقت سجناں نے بہت ساریاں ساکھیاں پچھلی سوساکھی ہیں سے نکال دتیاں۔ تے نویاں پائیاں۔ بڑے پنڈت جی نے بہت کچھ برہمنی مت دیاں گلاں پوائیاں سن۔ بھائی کشن سنگھ جی نے دسیا۔ کہ جو سوساکھی اب چھپی ہوئی ہے۔ اُس کا اُس پوتھی نالوں بھی جواہر سنگھے واقعہ دے بعد بنی تھی۔ تے جو انہوں نے بھائی ہردت سنگھ توں پڑھی تھی۔ بہت فرق ہے۔ یہ بیان بھائی کشن سنگھ کا اچاریا ہو یا جج صاحب کا دستخطی ہم کو (بھائی ویر سنگھ جی وزیر ہند پریس امرتسر کو) مل چکا ہے۔

خلاصۂ مضمون یہ ہے۔ کہ بھائی ویر سنگھ جی کے مضمون سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو رہی ہے۔ کہ کوئی جنم ساکھی یا سوساکھی غلطیوں اور تبدیلیوں سے پاک نہیں ہے۔ جو کسی کی مرضی ہوتی ہے۔ چھاپ دیتا ہے۔ بعض لوگ اسکو مستند اور بعض غیر مستند ماننے لگ پڑتے ہیں۔ میرا نہایت ہی نیک و برموقع سکھ صاحبان کی خدمت میں یہ مشورہ ہے۔ کہ آپ لوگوں کی جتھہ بندی نہایت ہی مضبوط ہو رہی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھا کر سکھ ودوان اکٹھے ہو کر ایک جلسہ کر کے فضول باتیں جنم ساکھیوں سے نکال دو۔ اور معتبر باتیں شائع کرنے کا بندوبست کرو۔ اور یہ رائے پاس کر لو۔ کہ کوئی شخص بغیر پنتھ کی منظوری کے کوئی جنم ساکھی یا اتہاس نہ چھاپے۔ اور صرف ایک دن کے کڑاہ پرشاد کے پیسے لگا کر مفت اشاعت کرنے کا فیصلہ کر دو۔ تاکہ کذب و صداقت کی پرکھ ہو سکے اور آئے دن کے جھگڑے مٹ جاویں۔ اور مذہبی لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔

(بقلم رحمت اللہ۔ ایس ایم متوطن کھوکھر متصل نارووال)

سوال۔ کیا آپنے فاروق کے لئے اب تک کوئی خریدار نہیں دیا؟ اگر نہیں دیا۔ تو ایک خریدار ضرور دیں!

دیانندی مشن

ویدوں میں جہاد کی تعلیم

(از قاضی محمد نذیر صاحب مولوی فاضل امیر جماعت احمدیہ لائل پور)

سوامی دیانند جی مہاراج اپنی دھرم پستک رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اردو ایڈیشن کے صفحہ ۱۳ پر الہامی کتاب کا ایک معیار یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔ "اس میں مفید اور کارآمد ہدایتیں ہوں"۔ اس معیار کے ذیل میں وہ ویدوں کی تعریفوں کے گن گاتے ہوئے دوسری الہامی کتابوں پر یوں برستے ہیں:۔

"اس کے خلاف دیگر الہامی کتابوں میں بے گناہ جانوروں کے مارنے اور جہاد وغیرہ سے دنیا کو دکھ پہنچانے کی ہدایت بھی پائی جاتی ہے"۔

یہ دوسری الہامی کتابیں کونسی ہیں۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ سوامی جی کا اشارہ ان الفاظ میں بائیبل اور قرآن مجید کی طرف ہے۔ بائیبل کو تو ہم من وعن الہامی کتاب نہیں سمجھتے۔ اس لئے مجھے اسکی طرف سے ڈیفنس کی ضرورت نہیں۔ یہ عیسائی جانیں۔ اور آریہ سماجی۔ ہاں میں چونکہ قرآن مجید کو کامل الہامی کتاب سمجھتا ہوں۔ اس لئے اسکی طرف سے ڈیفنس پیش کرنا میرا فرض ہے۔

جہاد کیا ہے

اسلام میں جہاد مذہبی جنگ کا ہی نام ہے۔ اور اسکی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے۔ جب دشمن فرائض مذہبی کی بجاآوری سے روکنے کے لئے مسلمانوں سے برسرپیکار ہو۔ اس موقعہ پر دین کو خطرہ سے بچانے اور مذہبی آزادی اور امن پیدا کرنے کی خاطر اسلام نے جنگ کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ جس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی اجازت دی وہ یہ ہے:۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علےٰ نصرھم لقدیر۔

یعنی اے مسلمانو اب تمہیں جنگ کی اجازت اس لئے دی جا رہی ہے۔ کہ تم مظلوم ہو گئے ہو۔ اور باوجود وطن چھوڑ آنے کے اور نہایت صبر دکھانے کے اب دشمن تم پر چڑھ آیا ہے۔ چونکہ اب دشمن تم پر ایسی حالت میں چڑھائی کر رہا ہے۔ کہ تم مظلوم ہو۔ اس لئے خدا تعالےٰ تمہاری مدد کریگا کیونکہ وہ اپنے مظلوم بندوں کی مدد پر قادر ہے۔ باوجود اس کے حکم دیا۔ کہ فاعتدوا علیہم بمثل ما اعتدیٰ علیکم۔ کہ ان دشمنوں پر اتنی ہی زیادتی کرو۔ جتنی وہ زیادتی کریں۔ اور فرمایا قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم۔ کہ دین کے بارہ میں انہیں سے لڑو۔ جو تم سے لڑتے ہیں۔ ہاں ان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ کہ اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔ تو ان سے صلح کر لو۔ کیونکہ اسلام کا یہ مقصد نہیں۔ کہ یونہی خونریزی کی جائے یہ جہاد کے متعلق میں نے قرآن مجید کی تعلیم نہایت مختصر طور پر پیش کی ہے۔ کیا ایسی لڑائی جو مذہبی آزادی اور قیام امن کی خاطر لڑنی پڑے کوئی مذہبی یا سنجیدہ آدمی ناجائز اور غیر ضروری بلکہ قابل اعتراض قرار دے سکتا ہے۔ اگر میں حسن ظن سے کام لوں۔ تو میرا خیال ہے۔ سوامی جی مہاراج نے صرف سنی سنائی باتوں کی بناء پر قرآن مجید پر یہ نکتہ چینی کی ہے۔ ورنہ اگر وہ سنجیدگی سے قرآن مجید کی تعلیم پر غور کرتے۔ تو کم از کم قرآن مجید کو اپنی نکتہ چینی کا نشانہ بنانے سے ضرور مستثنےٰ کر لیتے۔

میں حیران ہوں۔ کہ ایک مذہبی ریفارمیشن کا مدعی کیونکر اس طرح غیر ذمہ وارانہ طور پر دیگر الہامی کتابوں کو اپنا ہدف ملامت بنا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنے مذہب کے رو سے بھی دینی لڑائی کو ضروری جانتا ہے۔

سوامی جی مہاراج جو آریہ سماج کے نزدیک انیسویں صدی کے ریفارمر ہیں۔ اپنی کتاب رگوید آدی بھاشیہ بھومکا اردو ایڈیشن مترجم بھائی نہال سنگھ کرنال نواسی کے صفحہ ۱۳۴ پر بحوالہ اتھروید ۱۰-۷-۹-۳ لکھتے ہیں:۔

"اے دشمنوں کو مارنے والے اصول جنگ میں ماہر۔ بے خوف۔ وہراس پرجاہ وجلال عزیزو اور جوانمردو تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھو پرمیشور کے حکم پر چلو اور بدفرجام دشمن کو شکست دینے کے لئے لڑائی کا سرانجام کرو"۔

پھر یجروید ادھیائے ۷، منتر ۷ میں لکھا ہے۔

"ہم لوگ جس سے دشمنی کریں۔ اور جو ہم سے دشمنی کرے۔ ان کو ہم شیر وغیرہ کے منہ میں ڈال دیں۔ اور راجہ بھی ان کو شیر کے منہ میں ڈال دے"۔

پھر یجروید ادھیائے ۱۶ منتر ۲۵ و ۲۶ میں ہے

"جس سے ہم نفرت کرتے ہیں۔ یا جس کو ہم ناراض کرتے ہیں۔ یا جو ہم کو دکھ دیتے ہیں۔ ان کو ہم ہواؤں کے منہ میں ڈال دیں۔ اور اس طرح دکھ دیں۔ جس طرح بلی کے منہ میں چوہا"۔

اب غور کیجئے۔ وید کے ان منتروں میں کس طرح جہاد کی تعلیم موجود ہے۔ اسلام تو یہ کہتا ہے کہ تم صرف ان سے مذہبی جنگ کر سکتے ہو۔ جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔ اسلام قطعاً مسلمانوں کو ابتداءً جہاد کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ صرف مدافعانہ طور پر جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ مگر یجروید کے منتر تو بتاتے ہیں۔ جس سے ہم دشمنی کریں۔ یا دشمنی نہ سہی نفرت ہی رکھیں۔ یا اسے خود ناراض کریں۔ اسکی بھی اس طرح جان لینی چاہیئے۔ جس طرح بلی کے منہ میں چوہا دکھ اُٹھا اُٹھا کر جان دیتا ہے۔

پھر سوامی جی مدافعانہ جنگ کے متعلق ستیارتھ پرکاش میں فرماتے ہیں:۔

"جب کبھی رعایا پرور راجہ پر کوئی اپنے سے کمزور یا مساوی یا قوی تر (راجہ) لڑائی میں چیلنج (طلب) کرے۔ تو چھتریوں کا دھرم یاد کر کے میدان جنگ میں جانے سے کبھی گریز نہ کرے۔ یعنی ایسی ہوشیاری سے اس کا مقابلہ کرے۔ کہ اپنی ہی فتح ہو"۔

(ستیارتھ پرکاش جنم شتابدی ایڈیشن صفحہ ۱۸۴ و ۱۸۵)

ان حوالہ جات سے ظاہر ہے۔ کہ نہ صرف وید جو سوامی جی کے نزدیک الہامی کتابیں ہیں۔ جنگ کو بعض حالات میں ضروری قرار دیتی ہیں۔ بلکہ خود سوامی جی بھی ایسے موقعہ پر جنگ کو مذہبی فرض قرار دیتے ہیں۔ اب اگر دوسری الہامی کتابیں جہاد کی تعلیم دینے کی وجہ سے سوامی جی کی نکتہ چینی کے ماتحت الہامی کہلانے کی اہل نہیں۔ تو وید کن کتابوں کی مد میں آتے ہیں؟ اب رہ گیا معاملہ جانوروں کو ہلاک کرنے کا سو اس کے متعلق ویدک تعلیم کا نچوڑ سن لیں۔ سوامی جی ستیارتھ پرکاش میں فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی وقت مناسب سمجھے۔ تو دشمن کو چاروں طرف سے گھیر کر روک رکھے اور اس کے ملک کو تکلیف پہنچا کر چارا۔ خوراک۔ پانی اور لکڑی کو تلف و خراب کر دیوے"۔ (ستیارتھ پرکاش ایڈیشن پنجم صفحہ ۱۲۶۔ بحوالہ منو ادھیائے ۷ منتر ۱۹۵

پس جب دشمن کا چارا اور پانی تباہ کیا جائیگا تو بے گناہ جانور بھی ضرور بھوکے پیاسے مریں گے اب اس تعلیم کے متعلق آریہ سماجیوں کا کیا خیال ہے۔ کیا یہ تعلیم الہام کے سرچشمہ سے نہیں نکلی۔

عیسائی مشن

تنقیح بر رسالہ الوہیت مسیح

(۱۵)

(از شیخ عبدالقادر صاحب لائل پوری)

"میں اور باپ ایک ہیں کی ایک اور تشریح"

پادری صاحب نے اپنے رسالہ "الوہیت مسیح" میں حضرت مسیح علیہ السلام کے منقولہ بالا قول سے آپ کی الوہیت کا استدلال کیا۔ جس کی کہ تغلیط میں گذشتہ اقساط میں انجیلی دلائل سے مترشح کر چکا۔ اور الفاظ بالا کا اصل مطلب بھی ہدیہ قارئین کرام کر چکا۔ صحبت امروزہ میں سیدنا مسیح علیہ السلام کے قول کہ "میں اور باپ ایک ہیں" کی وہ تشریح پیش کی جاتی ہے۔ جو کہ آپ نے خود صراحت سے پیش کی۔ اور جس تصریح کی موجودگی میں انکار کی ہرگز گنجائش نہیں رہتی۔ ہاں اگر کوئی شوریدہ سر اس وضاحت کی موجودگی میں بھی اس حقیقت اور صداقت کو تسلیم کرنے سے گریز کرے۔ تو اسے ٹھنڈے دل سے حسب ذیل عبارت کو بنظر غائر مطالعہ میں لانا چاہیئے۔

"اگر کوئی شخص ..... صحیح باتوں کو یعنی ہمارے خداوند یسوع مسیح کی باتوں اور اسکی تعلیم کو نہیں مانتا۔ جو دینداری کے مطابق ہے۔ وہ مغرور ہے۔ اور کچھ نہیں جانتا۔ بلکہ اسے بحث اور لفظی تکرار کرنے کا مرض ہے۔ جس سے حسد اور جھگڑے اور بدگوئیاں اور بدگمانیاں اور ان آدمیوں میں رد و بدل پیدا ہوتا ہے۔ جن کی عقل بگڑ گئی ہے۔ وہ حق سے محروم ہیں۔ اور دینداری کو نفع کا ذریعہ سمجھتے ہیں"۔ تمطاؤس ۱ $\frac{۶}{۳ تا ۶}$۔ پس پادری صاحب سے بھی التجاءً عرض ہے۔ کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی رائے قائم کریں۔ یہ نہ ہو۔ وہ ان لوگوں میں ہو جائیں۔ جن کا تذکرہ مذکورہ سطور میں ہوا۔

(۱)

سب سے پہلے میں پولوس رسول کی ایک واضح عبارت پیش کرتا ہوں۔ مابعد حضرت مسیح علیہ السلام اور پولوس رسول کے دیگر اقوال ہدیہ احباب کروں گا۔ چنانچہ پولوس رسول کہتا ہے۔ "کیا تم نہیں جانتے۔ کہ تمہارے بدن مسیح کے اعضا ہیں۔ پس کیا میں مسیح کے اعضا لیکر کسی کے اعضا بناؤں۔ ایسا نہ ہووے۔ کیا تم کو خبر نہیں۔ کہ جو کوئی کسی سے صحبت کرتا ہے۔ تو اس سے ایک تن ہوا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے۔ کہ ایسے دونوں ایک تن ہونگے۔

"پر وہ جو خداوند سے ملا ہے۔ سو اس کے ساتھ ایک روح ہوا ہے"۔ کرنتھیوں ۱ $\frac{۶}{۱۵ تا ۱۷}$

ان آیات میں پولوس رسول نے صاف لفظوں میں کہا۔ کہ جو واصل الی اللہ ہے۔ وہ خدا تعالےٰ سے ایک روح ہے۔ اس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ جو کوئی بھی تقرب بارگاہ ایزدی میں پیش پیش ہے۔ جو کوئی بھی روحانیت کے عالی مدارج پر گامزن ہے۔ وہ خدا میں ایک ہے۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام نے جو فرمایا کہ "میں اور باپ ایک ہیں" تو یہ حقیقی اتحاد نہیں۔ بلکہ اتحاد مجازی ہے۔ جو کہ ہر مقرب کو علیٰ قدر مراتب فرمانبرداری اور خدا تعالےٰ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔ یہی ہے فنافی اللہ کا مقام۔ یہی ہے محویت کا عالم۔ جب انسان اور خدا میں دوئی دور ہو جاتی ہے۔ اور انسان بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کسی نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

پس اس مقام کو الوہیت کا مقام کہنا سراسر باطل اور سر مو حقیقت سے بھی بعید ہے۔

(۲)

حضرت مسیح علیہ السلام حواریوں کو کہتے ہیں۔

(ا) جو تمہیں قبول کرتا ہے۔ وہ مجھے قبول کرتا ہے۔ جو مجھے قبول کرتا ہے۔ اسے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ قبول کرتا ہے۔ متی $\frac{۱۰}{۴۰}$۔

(ب) جو تمہاری سنتا ہے۔ وہ میری سنتا ہے جو تمہیں حقیر جانتا ہے۔ مجھے حقیر جانتا ہے۔ جو مجھے حقیر جانتا ہے۔ اسے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ حقیر جانتا ہے۔ لوقا $\frac{۱۰}{۱۶}$۔

(ج) میں تم کو سچ سچ کہتا ہوں۔ وہ جو اس کو جسے میں بھیجتا ہوں۔ قبول کرتا ہے۔ مجھے قبول کرتا ہے۔ اور وہ جو مجھے قبول کرتا ہے۔ اسے جس نے مجھے بھیجا۔ قبول کرتا ہے۔ یوحنا $\frac{۱۳}{۲۰}$۔ ہمچو قسم دیگر آیات بھی ملاحظہ ہوں۔ لوقا $\frac{۹}{۴۸}$۔ متی $\frac{۱۸}{۵}$۔ $\frac{۲۵}{۴۰ تا ۴۵}$۔ یوحنا $\frac{۱۲}{۴۴}$ و $\frac{۵}{۲۳}$ و $\frac{۱۴}{۹}$، $\frac{۱۵}{۲۳}$۔ مرقس $\frac{۹}{۳۷، ۳۸}$ عا $\frac{۱}{۸}$۔ یوحنا ۱ $\frac{۲}{۲۳}$۔ اعمال $\frac{۹}{۵}$۔ یوحنا ۱ $\frac{۴}{۱۵}$۔ $\frac{۲}{۱۲ و ۲۳}$ وغیرہ۔ ان متعدد آیات سے مصرح ہے۔ کہ حواریوں کا قبول کرنا بوساطتِ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کو قبول کرنا ہے۔ اب صاف ظاہر ہے۔ کہ صرف حواریوں کی ذاتی قبولیت کی وجہ سے خدا کو قبول کرنا لازم ہی نہیں آسکتا۔ کیونکہ حواری خدا تو نہ تھے۔ کہ ان کا قبول کرنا خدا کا قبول کرنا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے۔ کہ چونکہ حواری حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کے مرسل ہیں۔ اس لئے حواریوں کو اس وقت تک قبول نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک حضرت مسیح علیہ السلام اور خدا تعالےٰ پر ایمان نہ لایا جائے۔ حواریوں کی قبولیت میں خدا پر ایمان اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان مضمر ہے۔ جس طرح کہ فعل فاعل اور مفعول میں رشتہ ہے۔ کہ فعل اس وقت تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک فاعل نہ ہو۔ فاعل کے لئے مفعول لازم ہے۔ اسی طرح تعلق کو ظاہر کرتے ہوئے بیان کیا گیا۔ کہ حواریوں کا قبول کرنا اس وقت تک ناکارہ ہے۔ جب تک حضرت مسیح علیہ السلام کو قبول نہ کیا جائے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان تاوقتیکہ کہ خدا تعالےٰ کو قبول نہ کیا جائے بالکل بے فائدہ ہے۔ اسی نکتہ کو حضرت مسیح علیہ السلام ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ کوئی میرے وسیلہ بغیر باپ کے پاس نہیں آسکتا۔ اگر تم مجھے جانتے۔ تو میرے باپ کو بھی جانتے یوحنا $\frac{۱۴}{۶، ۷}$۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول سے ظاہر ہے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا تعالےٰ کی شناخت اور اسکی قبولیت میں وسیلہ ہیں۔ نہ کہ خود خدا ہیں۔ کہ ان کے قبول کرنے سے خدا کا قبول کرنا لازم آئے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے حضرت مسیح علیہ السلام نے آپ کو باپ میں ایک قرار دیا۔ اور اسی اتحاد کی وجہ سے کہا گیا۔ کہ حواری خدا میں ایک ہوں۔ یوحنا ۱۷۔ ان کا قبول کرنا خدا کا قبول کرنا ہے۔ کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کو پیش کرتے ہیں۔ یہی ہے اتحاد مجازی۔ اور اسی صورت میں حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا "میں اور باپ ایک ہیں"۔ یعنی میری اور باپ کی رضا ایک ہی ہے۔ بلحاظ اغراض و مقاصد میں اور باپ ایک ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں۔ کہ میں اپنی مرضی نہیں۔ بلکہ باپ کی مرضی پر عمل کرتا ہوں۔ یوحنا $\frac{۶}{۳۸}$ و $\frac{۵}{۳۰}$۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا خدا پر ایمان لانا بیان ہوا۔ اسی طرح حواریوں پر ایمان لانا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی وساطت سے خدا پر ایمان لانا ہے۔ یہی ہے اتحاد مجازی جو "میں اور باپ ایک ہیں"۔ میں پیش ہوا جس کو اندھوں نے حضرت مسیح ؑ کی الوہیت پر دال سمجھا۔

(۳)

حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "کیا تو یقین نہیں کرتا۔ کہ میں باپ میں ہوں۔ اور باپ مجھ میں ہے۔ یہ باتیں جو میں تمہیں کہتا ہوں۔ آپ سے نہیں کہتا۔ لیکن باپ جو مجھ میں رہتا ہے۔ یہ کام کرتا ہے ...... اگر تم مجھے پیار کرتے ہو۔ تو میرے حکموں پر عمل کرو۔ .... اس روز تم جانو گے۔ کہ میں باپ میں تم مجھ میں اور میں تم میں ہوں۔ جس پاس میرے احکام ہیں۔ اور وہ ان پر عمل کرتا ہے۔ وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ اور وہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے میرے باپ کا پیارا ہوگا۔ ...... جو مجھے پیار نہیں کرتا میرے کلام پر عمل نہیں کرتا۔ اور یہ کلام جو تم سنتے ہو۔ میرا نہیں بلکہ باپ کا ہے۔ جس نے مجھے بھیجا۔ یوحنا $\frac{۱۴}{۱۰ تا ۲۴}$۔

ان آیات نے صاف تصریح کر دی۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور حواری مل کر باپ میں ایک ہو جاتے ہیں۔ پر کس طرح؟ خدا کے مرسل سے محبت رکھنے کے نتیجہ میں۔ اس کے احکام ماننے کے صلہ میں۔ یہی ہے مطلب حضرت مسیح کے کہنے کا کہ "میں اور باپ ایک ہیں"۔ یعنی چونکہ میں باپ سے محبت رکھتا ہوں۔ اس کے احکام کو تعویذ جاں بناتا ہوں۔ اور اسی کی مرضی پر عمل پیرا ہوتا ہوں۔ اس لئے اس کی رضا میری رضا ہو گئی۔ یا یوں کہو۔ میں اور باپ (بلحاظ رضاء) ایک ہو گئے۔ اس اتحاد رضا میں صرف حضرت مسیح ؑ ہی منفرد نہیں۔ بلکہ جو کوئی بھی خدا تعالےٰ سے بکمال محبت رکھے گا۔ وہ خدا میں قائم ہے۔ اور وہ اور خدا بلحاظ رضا ایک ہیں۔

(۴)

حضرت مسیح علیہ السلام ایک تمثیل بیان کر کے سمجھاتے ہیں۔ "انگور کا حقیقی درخت میں ہوں تم مجھ میں قائم رہو۔ اور میں تم میں۔ جس طرح ڈالی

اگر انگور کے درخت میں قائم نہ رہے۔ تو پھل نہیں لا سکتی۔ اسی طرح اگر تم مجھ میں قائم نہ رہو۔ تو پھل نہیں لا سکتے۔ میں انگور کا درخت ہوں۔ تم ڈالیاں ہو جو مجھ میں قائم رہتا ہے۔ میں اس میں ...... تم مجھ میں قائم رہو۔ اور میری باتیں تم میں قائم رہیں۔ ...... اگر تم میرے حکموں پر عمل کرو گے۔ تو میری محبت میں قائم رہو گے۔ جیسے میں نے اپنے باپ کے حکموں پر عمل کیا۔ اور اسکی محبت میں قائم ہوں۔" یوحنا ۱۵/۱ تا ۱۰۔ ان آیات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے۔ کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے احکام پر عمل کرنے کی صورت میں حواری مسیح میں ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح باپ کے حکموں پر عمل کرنے کی صورت میں باپ میں ایک ہیں۔ یہی ہے یگانگت جو کہ مقربین کو حاصل ہوتی ہے۔ نہ اور۔

(۵)

(۱) "جو کوئی بیٹے کا انکار کرتا ہے۔ اس کے پاس باپ بھی نہیں۔ جو بیٹے کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے پاس باپ بھی ہے۔ جو تم نے شروع سے سُنا۔ وہی تم میں قائم رہے۔ جو تم نے شروع سے سنا۔ اگر وہ تم میں قائم رہے۔ تو تم بھی بیٹے اور باپ میں قائم رہو گے۔ ...... تمہارا مسیح ...... تم میں قائم رہتا ہے ...... اسی طرح تم اس میں قائم رہتے ہو۔ غرض اے بچو اس میں قائم رہو۔ ...... جو کوئی راستبازی کے کام کرتا ہے۔ وہ اس سے (خدا سے) پیدا ہوتا ہے۔ یوحنا ۱ع ۲/۲۲ تا ۲۸۔ (ب) جس کا یہ ایمان ہے یسوع مسیح ہے۔ وہ خدا سے پیدا ہوا۔ جو کوئی والد سے محبت رکھتا ہے۔ وہ اسکی اولاد سے بھی محبت رکھتا ہے۔ جب ہم خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ اور اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ خدا کے فرزندوں سے بھی محبت رکھتے ہیں۔ اور خدا کی محبت یہ ہے۔ کہ اس کے حکموں پر عمل کریں۔ ...... جو کوئی خدا سے پیدا ہوا۔ وہ دنیا پر غالب آتا ہے۔ یوحنا ۱ع ۵/۱ تا ۵، ۵/۱۸ و ۱۹۔ (ج) جو کوئی محبت رکھتا ہے۔ وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔ ...... اگر ہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں۔ تو خدا ہم میں رہتا ہے۔ اور اسکی محبت ہمارے دلوں میں کامل ہو گئی ہے۔ چونکہ اس نے اپنے روح میں سے ہمیں دیا ہے۔ اس سے ہم جانتے ہیں۔ کہ ہم اس میں قائم رہتے ہیں۔ اور وہ ہم میں ...... جو کوئی اقرار کرتا ہے۔ یسوع خدا کا بیٹا ہے۔ خدا اس میں رہتا ہے۔ اور وہ خدا میں ...... جو محبت میں قائم رہتا ہے۔ وہ خدا میں قائم رہتا ہے۔ اور خدا اس میں قائم رہتا ہے۔ اور اسی سبب سے محبت ہم میں کامل ہو گئی ہے۔ یوحنا ۱ع ۴/۷ تا ۱۲، ۱۳ تا ۱۷ یوحنا ۱/۱۳۔ ان حوالجات نے تو فیصلہ کر دیا۔ کہ خدا تعالےٰ سے یگانگت اسکی محبت دل میں کامل کرنے سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی خدا تعالےٰ کی محبت میں اوج کمال پر کھڑا ہو۔ تو خدا اس میں رہتا ہے۔ اور وہ خدا میں۔ گویا وہ اور خدا ایک ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقی معنوں کی رو سے نہیں والا مجازی معنوں کی رو سے۔ اور یہی ہے مطلب حضرت مسیح کے متنازعہ فیہ قول کا۔ وھو المراد۔

(۶)

(۱) کیونکہ جس کے لئے سب چیزیں ہیں۔ اور جس کے وسیلے سے سب چیزیں ہیں۔ اس کو یہی مناسب تھا۔ کہ جب بہت سے بیٹوں کو جلال میں داخل کرے۔ تو ان کی نجات کے بانی کو دکھوں کے ذریعہ سے کامل کرے۔ اس لئے کہ پاک کرنے والا اور پاک ہونے والے سب ایک ہی سے ہیں۔ اسی باعث سے وہ انہیں بھائی کہنے سے نہیں شرماتا۔ عبرانیوں ۲/۱۰ تا ۱۲ کیتھولک انجیل۔ (ب) خرابیوں سے بچنے سے ذات الٰہی میں شرکت ہوتی ہے۔ پطرس ۲ع ۱/۴۔ (ج) ہماری شرکت باپ کے ساتھ اور اس کے بیٹے یسوع کے ساتھ ہے۔ یوحنا ۱ع ۱/۳۔ (د) اے پیارو اب ہم خدا کے فرزند ہیں۔ اور ہنوز ظاہر نہیں ہوا۔ کہ ہم کیا کچھ ہوں گے۔ پر ہم جانتے ہیں۔ کہ جب مسیح ظاہر ہوگا۔ تو ہم اسکی مانند ہوں گے۔ کیونکہ ہم اسے جیسا وہ ہے۔ دیکھیں گے۔ یوحنا ۱ع ۳/۲۔ کیوں پادری صاحب کیا فرماتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق جو کہ ذات الٰہی میں شریک ہیں۔ اور مسیح کی مانند ہیں۔ اگر مسیح باپ میں ایک ہیں۔ تو یہ بھی۔ کیونکہ مسیح جیسے جو ہوئے۔ اب بتائیں۔ کیا یہ خدا بن گئے۔ پادری صاحب ایسا خیال جانے دیں۔ یہ وہ خواب ہے۔ جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتی۔ حق یہی ہے۔ کہ مذکورہ اشخاص خدا تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اس میں قائم اور مسیح جیسے بیان کئے گئے۔ جس طرح حضرت مسیح باپ میں ایک ہیں۔ اپنی بکمال محبت کی وجہ سے۔ وتدبر۔

(۷)

(۱) جو میرا گوشت کھاتا ہے۔ اور میرا خون پیتا ہے۔ وہ مجھ میں قائم رہتا ہے۔ اور میں اس میں۔ یوحنا ۶/۵۶ یوحنا ۱ع ۳/۲۴ و ۴/۱۵ و ۱۶۔ (ب) وہ روٹی جسے ہم توڑتے ہیں۔ کیا مسیح کے بدن کی شراکت نہیں۔ چونکہ روٹی ایک ہی ہے۔ اس لئے ہم جو بہت سے ہیں۔ ایک بدن ہیں۔ کیونکہ ہم سب اس ایک روٹی میں شریک ہوتے ہیں۔ کرنتھیوں ۱ع ۱۰/۱۷۔ کیوں صاحب یہ کونسا اتحاد ہے۔ یہی نہیں۔ کہ جس طرح آسمانی مائدہ یعنی مسیح کو قبول کرنے سے تمام حواری ایک ہیں۔ اسی طرح جو خدا تعالےٰ کو قبول کرتا ہے۔ اسکی باتوں پر ہر حال میں عمل کرتا ہے۔ وہ اس میں قائم اور ایک ہے۔

(۸)

افسیوں ۳/۱۹ و ۵/۱۹ و ۱/۲۳ و ۴/۱۰ میں بیان ہوا۔ "اور ایمان کے وسیلے سے مسیح تمہارے دلوں میں سکونت کرے۔ ...... تاکہ تم خدا کی ساری معموری تک معمور ہو جاؤ۔" بعینہٖ یہی الفاظ حضرت مسیح کے لئے آتے ہیں۔ دیکھئے فلپیوں ۱/۱۸ ۲/۹۔ اب صاف ظاہر ہے۔ کہ جس طرح حضرت مسیح مجازی معنوں میں خدا کے مسکن ہیں۔ اسی طرح حواری۔ چنانچہ حواریوں کے لئے ایمان کی شرط رکھی گئی۔ اسی طرح چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کا خدا تعالےٰ پر بے انتہا ایمان تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا۔ کہ میں باپ میں اور باپ مجھ میں بلکہ ہم ایک ہیں۔ علاوہ ازیں اتحاد مجازی کے لئے یہ آیات بھی ملاحظہ ہوں۔ افسیوں ۱/۹ تا ۱۶، ۲/۱۶ تا ۲۰۔ یوحنا ۱/۱۳ وغیرہ وغیرہ۔

نوٹ:۔ ہم گذشتہ چار اقساط میں بھی اس قسم کی آیات درج کر چکے ہیں۔ وہ بھی ملاحظہ ہوں۔ ان میں بھی حضرت مسیح کے قول کہ "میں اور باپ ایک ہیں" کا مطلب بیان و عیاں ہوا۔ اس کے علاوہ ملاحظہ ہوں وہ آیات جن سے ثابت ہے۔ کہ حضرت مسیح ہی باپ سے یگانگت میں منفرد نہیں ہیں۔ و دیگر امور فلپیوں ۲/۱ کرنتھیوں ۲ع ۲/۲۲ و ۵/۱۷ تا ۱۹ افسیوں ۲/۲۲۔ عبرانیوں ۳/۱۴ تھس ۱ع ۳/۸ و ۱/۱۲ وغیرہ وغیرہ۔

قول مسیح ۴۔ "میں اور باپ ایک ہیں"۔ کی تشریح و توضیح کے لئے ہم بہت سی آیات سے اپنے استدلال کو محکم کر چکے۔ اور ثابت کر چکے۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ اتحاد باپ سے ذاتی نہ تھا۔ بلکہ صفاتی تھا۔ اگر کوئی منچلا اب بھی اصرار کرے۔ کہ نہیں حضرت مسیح کو باپ سے اتحاد ذاتی تھا۔ تو وہ مندرجہ ذیل امثلہ کو ذرا بے خودی کے عالم سے علیحدہ ہو کر پڑھے۔ اور پھر اپنی عقل پر نوحہ کرے۔ اور اس پر روئے۔ اور پیٹے ہم کو اس سے سروکار نہیں۔ بہرحال حسب ذیل آیات سے ثابت ہے۔ کہ حضرت مسیح اور باپ فی ذاتہٖ ایک نہ تھے۔ اگر فی الواقعہ "مسیح اور باپ ایک ہیں" سے مراد اتحاد ذاتی ہے۔ تو ان آیات میں اس اتحاد ذاتی کو کیا گلدستہ طاق نسیان بنا دیا گیا تھا۔

(۱) خود مسیح کہتے ہیں۔ ایک تو میں خود اپنی گواہی دیتا ہوں۔ اور ایک باپ جس نے مجھے بھیجا۔ میری گواہی دیتا ہے۔ یوحنا ۸/۱۷۔ (۲) آیا تو نہیں جانتا۔ کہ میں اپنے باپ سے منت کر سکتا ہوں۔ یوحنا ۸/۱۹ (۳) حضرت مسیح نے رو رو کر باپ سے دعائیں کیں عبرانیوں ۵/۷ و ۸ (۴) سوا ایک کے اور کوئی خدا نہیں اگرچہ آسمان اور زمین میں بہت سے خدا کہلاتے ہیں۔ ...... لیکن ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے۔ یعنی باپ۔ جس کی طرف سے ساری چیزیں ہیں۔ اور ہم اسی کے لئے ہیں۔ اور ایک ہی خداوند ہے یعنی یسوع مسیح کرنتھیوں ۱ع ۸/۵ تا ۶۔ (۵) یسوع نے مریم مگدلینی سے کہا۔ "مجھے مت چھوؤ۔ کیونکہ میں ہنوز اوپر باپ کے پاس نہیں گیا۔ ...... الخ یوحنا ۲۰/۱۷

(۶) اور اس نے (خدا نے) سب کچھ اس کے (یسوع کے) پاؤں تلے کر دیا۔ مگر جب وہ (خدا) کہتا ہے۔ کہ سب کچھ اس کے (یسوع کے) تابع کر دیا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ وہ (خدا) ہی الگ رہا ...... الخ کرنتھیوں ۱ع ۱۵/۲۷ و ۲۸۔ (۷) خدا ایک ہے۔ اور خدا اور انسان کے درمیان درمیانی بھی ایک ہے۔ یعنی یسوع مسیح جو انسان تھے۔ تمطاؤس ۱ع ۲/۵۔ پولوس کہتا ہے۔ "درمیانی ایک کا نہیں ہوتا۔ مگر خدا ایک ہی ہے۔ گلتیوں ۳/۲۰۔ پس چونکہ یسوع درمیانی ہے اس لئے یسوع اور یسوع کا باپ ایک نہیں ہو سکتے۔

(۸) یسوع کو بیٹا کہا گیا۔ ابن آدم کہا گیا۔ صلیب پر جان دے کر لعنتی قرار دیا گیا۔ گلتیوں ۳/۱۳۔ اگر یسوع اور خدا ایک ہیں۔ تو کیا بیٹے کو باپ اور باپ کو بیٹا کہنا روا ہے۔ ہرگز نہیں۔ (دیکھو دعائے عام) باپ کو ابن آدم کہنا جائز ہے۔ بالکل نہیں۔ کیا باپ کو بھی جرأت ہے۔ منقولہ آخری خطاب دینے کا۔ دیدہ باید۔ (۹) "یسوع کہتا ہے۔ میں آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ یوحنا ۵/۳۰ "سوائے اس کے جو باپ کو کرتے دیکھوں۔ یوحنا ۵/۱۹۔ کیوں صاحب خدا بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ (۱۰) یسوع قیامت سے لاعلم ہے۔ صرف خدا جانتا ہے۔ مرقس ۱۳/۳۲۔ یہاں سے بھی دو ہستیاں ظاہر ہیں۔ (۱۱) یسوع کہتا ہے۔ "میں اکیلا نہیں۔ بلکہ میں ہوں اور باپ ہے۔" یوحنا ۸/۱۶۔ (۱۲) مگر اب تو انہوں نے مجھے اور میرے باپ دونوں کو دیکھا۔ اور دونوں سے عداوت کی۔ یوحنا ۱۵/۲۴ تا ۲۶۔ اس کے علاوہ آیات ملاحظہ ہوں جو بخوف طوالت درج نہیں کی جا سکتیں افسیوں ۱/۲۔ اعمال ۳/۲۔ رومیوں ۱۵/۶۔ کرنتھیوں ۱ع ۱/۳ ۲ع ۱/۳۔ افسیوں ۶/۲۴۔ فلپیوں ۱/۱ تا ۳ و ۲/۹۔ متی ۲۸/۲۹۔ یوحنا ۱۵/۱۰ و ۸/۲۷ تا ۲۹ و ۱۳/۴۲ و ۱۴/۱۲ و ۱۳/۱۶ تا ۲۰ لوقا ۱۰/۱۵ تا ۱۶ گلتیوں ۱/۳ و ۴ تھس ۱ع ۳/۱۱ تا ۱۳، ۱/۱ و ۲ع ۲/۱۔ تمطاؤس ۱ع ۱/۲، رومیوں ۵/۱۵ مکاشفہ ۱/۶ یوحنا ۱۷/۳۔ عبرانیوں ۱/۱۵ مقابلہ یعقوب ۱/۱۳ وغیرہ وغیرہ منقولہ بالا کثیر آیات سے یہ امر بالکل مبرہن ہو گیا۔ کہ فی ذاتہٖ مسیح اور باپ ایک نہ تھے۔ اب لامحالہ صفاتی رنگ میں ہی حضرت مسیح کو اور باپ کو ایک تسلیم کرنا پڑیگا۔ اور حضرت مسیح کے قول کہ میں اور باپ ایک ہیں کی بھی وہی تشریح کرنی پڑیگی۔ جو کہ ذاتی نہ ہو۔ بلکہ صفاتی ہو۔ چنانچہ ہم یہ تشریح ادھر درج کر چکے۔ صرف ضرورت ہے فکر و تدبر کی اور صداقت کے تسلیم کرنے کی۔

"ایک اور طرح سے"

حضرت مسیح کہتے ہیں۔ کیا تو یقین نہیں کرتا۔ "کہ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے۔ یوحنا ۱۴/۱۰" گویا حضرت مسیح علیہ السلام کہتے ہیں۔ کہ میں اور باپ ایک ہیں۔ ان الفاظ کو پادری صاحب نے حضرت مسیح کی الوہیت پر دال سمجھا۔ لیکن اگر چند سطور آگے بھی پڑھ لیتے۔ تو کیا مجال تھی غلطی کی کہ پادری صاحب کو ہو جاتی۔ چنانچہ اس کے آگے لکھا ہے۔ "میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ جو مجھ پر ایمان لاتا ہے۔ یہ کام جو میں کرتا ہوں۔ وہ بھی کریگا۔ بلکہ ان سے بھی بڑے کام کرے گا" یوحنا ۱۴/۱۲ پادری صاحب بتائیں۔ حضرت مسیح کو باپ سے یگانگت سے کیا فضیلت حاصل ہوئی۔ یہی کہ اپنے شہر جاتے ہیں۔ اور لکھا ہے۔ "وہاں کوئی معجزہ نہ دکھا سکا۔ سوائے اس کے کہ چند بیماروں کو اچھا کیا" مرقس ۶/۵۔ لیکن حواری کو وہ باپ سے یگانگت تھی۔ کہ وہ مسیح سے بھی بڑھ کر معجزات دکھلاتے تھے۔ بتلائیے بڑا خدا کون ہوا۔ اگلی قسط میں انشاء اللہ پادری صاحب کی ایک اور پیش کردہ دلیل الوہیت مسیح کی بوسیدگی الم نشرح ہوگی۔ فانتظروا۔

وصیت ع ۵۰۰۲۔ منکہ رضیہ بیگم بنت مولوی فخر الدین صاحب پنشنر قوم قریشی عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰/۸/۱۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائے گی۔

میری جائیداد حسب ذیل ہے:۔

سنگر سیونگ مشین قیمتی	۱۳۶/-/-
پارچات مالیتی	۲۰۰/-/-
کانٹے مالیتی	۱۵/-/-
متفرق سامان مالیتی	۱۰۰/-/-
	۴۵۱/-/-

العبد۔ رضیہ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد: محمد یعقوب مولوی فاضل اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل قادیان گواہ شد محمد اسحاق بی۔ ایس۔ سی حال وارد قادیان۔ گواہ شد:۔ فخر الدین پنشنر دار الفضل

وصیتیں

ع ۵۰۰۰۔ منکہ مسعود احمد خاں ولد خاں محمد علیخاں صاحب قوم افغان عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴ مارچ ۳۸ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

اس وقت میری ملکیت میں کوئی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ نہیں ہے۔ اس وقت میرا گذارہ میری ماہوار آمد پر ہے۔ جو اب ساٹھ روپے ہے میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ بمد وصیت خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کراتا رہوں گا۔ میری وفات کے بعد میرا جو ترکہ ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی جائیداد کا کل یا اس کا کوئی جزو یا اسکی قیمت حوالہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں۔ تو میرے ترکہ میں سے وہ حصہ یا جزو حصہ ادا شدہ سمجھا جائے گا۔

العبد:۔ مسعود احمد خان مین ہوسٹل سینٹ سٹیفن کالج دہلی۔ گواہ شد:۔ عباس احمد خاں الفنٹ ہوسٹل کشمیری گیٹ دہلی۔ گواہ شد عبد اللطیف کپور تھلوی معرفت بابو محبوب خاں صاحب احمدی پوسٹماسٹر چاندنی چوک دہلی۔

ع ۵۰۰۳۔ منکہ کرم بی بی زوجہ میاں نظام الدین احمدی عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۳۰ء ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳/۸/۱۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں:۔

اس وقت میری جائیداد موجودہ ایک زیور چاندی کا ہے۔ اور ایک مکان رہائشی جسکی قیمت دو سو پچاس روپے ہے۔ اور مہر مبلغ بتیس روپے خاوند سے وصول کیا ہوا ہے۔ اور مکان میں میرے خاوند کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر کوئی رقم اپنی وصیت کی داخل خزانہ کرکے اسکی رسید حاصل کرلوں۔ تو وصیت کے حصہ سے منہا سمجھی جائے گی۔ اگر میرے مرنے کے بعد کوئی زیور یا جائیداد اور ثابت ہو۔ تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

العبد:۔ نشان انگوٹھا کرم بی بی محلہ دار الرحمت گواہ شد:۔ احمد حسین سکرٹری وصایا محلہ دار الرحمت قادیان۔ گواہ شد:۔ نظام الدین خاوند موصیہ نشان انگوٹھا۔

مستورات کا کالم

(از حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

عورتوں کو غصہ کھانے کی تلقین

ایک خاتون کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔ "تمام چیزیں حرام کھانی گناہ ہیں۔ مگر غصہ جو کہ حرام ہے۔ اس کا کھانا ثواب میں داخل ہے۔ ہمارے مخالف ہمیں گالیوں کے لمبے خط لکھ کر بھیجتے ہیں۔ جن کو ہم پڑھ کر یہی دعا دیتے ہیں۔ کہ خدا تمہیں ہدایت دے۔ جب لڑکی بیاہی جاتی ہے۔ تو اس کے ہاتھ میں دو چابیاں ہوتی ہیں۔ ایک صلح کے دروازہ کی۔ دوسری لڑائی کے دروازہ کی جس دروازہ کو چاہے۔ کھول سکتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جنہوں نے صلح کا دروازہ کھولا"۔

خسر اور ساس کی تابعداری

لڑکیوں کو اپنے خسر اور ساس کی نہایت تابعداری کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بعد شادی لڑکی کا تعلق اپنے والدین سے بڑھ کر ساس خسر سے ہو جاتا ہے اسی واسطے ان کے ادب کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ ان کے حکموں کو بلا کم و کاست قبول کرلینا چاہیئے۔ تعلیم کا یہی فائدہ ہے۔ کہ لڑکی اپنے آپ کو پرلے درجہ کا تابعدار ثابت کرے۔ سخت ہی بد بخت ہیں وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کو ان کے والدین سے برگشتہ کرنے کی تجویزیں کرتی ہیں۔ ان کو کبھی فلاح دارین نصیب نہیں ہوگی"۔

(الحکم نمبر ۳۳ جلد ۱۰ صـ۱۱ ۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء)

مردوں کی نافرمانی

عورتوں میں ایک خراب عادت یہ بھی ہے۔ کہ وہ بات بات میں مردوں کی نافرمانی کرتی ہیں۔ اور انکی اجازت کے بغیر ان کا مال خرچ کردیتی ہیں۔ اور ناراض ہونے کی حالت میں بہت کچھ برا بھلا ان کے حق میں کہدیتی ہیں۔ ایسی عورتیں اللہ تعالیٰ اور رسولؐ کے نزدیک لعنتی ہیں۔ ان کا نماز روزہ اور کوئی عمل منظور نہیں۔ اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے۔ کہ کوئی عورت نیک نہیں ہو سکتی۔ جب تک پوری پوری خاوند کی فرمانبرداری نہ کرے۔ اور دلی محبت سے اسکی تعظیم نہ بجالائے۔ اور پس پشت بھی اسکے لئے اسکی خیر خواہ نہ ہو۔ اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں حکم کرتا۔ کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے حق میں کچھ بدزبانی کرتی ہے۔ یا اہانت کی نظر سے اسکو دیکھتی ہے۔ اور حکم ربانی سنکر بھی باز نہیں آتی۔ تو وہ لعنتی ہے خدا اور رسولؐ اس سے ناراض ہیں۔ عورتوں کو چاہیئے کہ اپنے خاوندوں کا مال نہ چرائیں اور نامحرم سے اپنے تئیں بچائیں۔ اور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بجز خاوند اور ایسے لوگوں کے جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور جتنے

طبی کالم

نزلہ اور زکام

چونکہ نزلہ اور زکام ام الامراض بیان کیا جاتا ہے۔ اور اکثر طبیب اس کے معالجہ میں غلطیاں کرتے ہیں۔ اسواسطے دہلی کے حاذق الملک خاندانی حکیم کی ایک تقریر کا خلاصہ اس کے متعلق درج کیا جاتا ہے۔ امید ہے۔ کہ ناظرین اس سے کافی دلچسپی لیں گے۔ اور مستفید ہوں گے۔ نزلہ اور زکام یہ دونوں رات دن کی مشہور بیماریاں ہیں۔ لیکن یہ جاننا ضرور ہے۔ کہ زکام میں وہ چیزیں استعمال نہ کرائی جائیں۔ جن سے سیلان زکام کا بہنا رک جائے۔ جیسے گرم خشک ادویات اصل السوس پرسیاوشاں اسطوخودوس وغیرہ ہیں۔ اس لئے کہ زکام کے بند ہو جانے سے بہت سی بیماریاں مثل صدع اور بلادت حواس وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح گرم ادویات بھی استعمال کرنی ناجائز ہیں۔ کیونکہ اکثر حدوث نزلہ کا نزلات حارہ یعنی بلاغم حارہ سے ہوا کرتا ہے۔ بلکہ مناسب ہے۔ کہ بہیدانہ۔ گاؤزبان سپستاں وغیرہ استعمال کرائی جائیں۔ نیز زکام کے شروع تین دن تک مقویات دماغ بھی نہ دی جائیں۔ کیونکہ یہ بھی رطوبت کا حبس کرکے سیلان بند کردیں گی۔ ہاں جس وقت سیلان کثیر ہو جاوے اور دماغ کے ضعیف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ تو مقویات دماغ کھلانا مضائقہ نہیں رکھتا۔ اگر نزلہ حارہ رقیقہ ہو۔ تو ایسی ادویات جو تسکین اور تغلیظ کریں۔ مثل بہیدانہ سپستان خبازی دینا مناسب ہے اور اگر غلیظ ہو۔ تو گاؤزبان گل گاؤزبان عناب نبات سفید وغیرہ مفید ہے۔ اور یہ چیزیں اسوقت دینی چاہئیں۔ جبکہ نزلہ کا انصباب ہو کر ذاتیہ پر مستقر ہو گیا ہو۔ یا اس کے متصل آلات تنفس پر مستقر ہو۔ لیکن اگر علی سبیل الانصباب ہے۔ تو مغلظات دینا چاہیئے۔ تاکہ انصباب رک جائے۔ مثل خشخاش وغیرہ کے اگر بارد ہو۔ تو اس کا علاج حار ادویات سے جو بلغم کا نضج کریں کرنا چاہیئے۔ جیسے اصل السوس پرساوشاں۔ اسطوخودوس تخم کتان وغیرہ ہیں۔ اگر ضعف دماغ کی وجہ سے نزلہ پیدا ہوا ہے۔ تو تقویت راس (سر) ضروری ہے۔ تاکہ اسمیں رطوبات پیدا نہ ہوں اور جب رطوبات کی پیدائش ہی نہ ہوگی۔ تو پھیپھڑوں پر بھی انصباب رطوبت نہ ہوگا۔ خشخاش اور خس۔ تخم تربز وغیرہ عمدہ اشیاء ہیں۔ اور تقویت راس کرتی ہیں۔ اور اسطوخودوس۔ فرنجمشک۔ ابریشم بھی کبھی نفع کرتی ہیں۔ لیکن عنبر اور مشک تقویت دماغ میں بے نظیر ادویات ہیں جبکہ ضعف دماغ برودت کی وجہ سے

دار الامان کی خبریں

(۱) ۱۸ مارچ۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کو ڈاکٹری رپورٹ کے مطابق ۷ بجے شام کے درد سر کی شکایت تھی۔ احباب دعائے صحت کریں۔

(۲) حضرت ام المؤمنین مدظلہا کی طبیعت ناساز ہے۔ دعائے صحت کی جائے۔

(۳) تعلیم الاسلام ہائی سکول و نصرت گرلز سکول کے امتحانات انٹرنس شروع ہو گئے ہیں۔ احباب سب کی کامیابی کے لئے دعا کریں۔

(۴) ۱۴ مارچ کو مقدمات زیر دفعہ ۱۰۷ کا فیصلہ جو معززین سلسلہ اور مصری پارٹی کے خلاف پولیس نے دائر کر رکھے تھے۔ سنایا گیا۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ سید میر محمد اسحاق صاحب و مولوی ابوالعطاء اللہ دتا صاحب جالندھری سے ایک ایک ہزار روپیہ کی ضمانت ایک سال کے لئے لی گئی جو داخل کر دی۔ اور شیخ مصری و شبنم ان کے مصرع ثانی سے بھی ایک ایک ہزار کی ضمانت مانگی گئی۔ اور خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب کو بری کر دیا۔

(۵) ۱۴ مارچ کو خلافت ثانیہ کے چوبیس سالہ عہد مبارک کے برکات و فیوض کے متعلق مسجد نور میں بعد نماز عشاء اظہار تشکر کے لئے زیر صدارت خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب جلسہ ہوا۔ جس میں مولوی عبدالرحمن صاحب مبشر۔ مولوی عبدالمغنی خاں صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ اور مولوی ابوالعطاء اللہ دتا صاحب جالندھری و خاکسار ایڈیٹر فاروق و حضرت میر محمد اسماعیل صاحب ریٹائرڈ سول سرجن و خانصاحب فرزند علی صاحب نے تقریریں کیں۔ اور ۱۲ بجے رات کے بعد دعا جلسہ ختم ہوا۔

(۶) ۱۶ مارچ کو ماسٹر عبدالرحمن صاحب بی۔ اے جن کو بٹالہ کے مجسٹریٹ بھائی جسونت سنگھ نے "باوا نانک کا دین دھرم" نامی پمفلٹ شائع کرنے پر چھ ماہ قید سخت اور سو روپیہ جرمانہ کی سزا دی تھی۔ سشن جج گورداسپور نے ان کی اپیل کا فیصلہ سنا دیا کہ ماسٹر صاحب جتنی سزا بھگت چکے ہیں۔ وہ کافی ہے۔ جرمانہ بجائے سو کے پچاس کر دیا۔ جرمانہ ادا ہونے پر ماسٹر صاحب رہا ہو جائیں گے۔ جو آجکل میانوالی جیل میں ہیں۔

چیدہ خبریں!

— آریہ اخبار پرکاش لکھتا ہے۔ کہ پنجاب اسمبلی کے شہید گنج سے متعلق بلوں کے جواب میں دہلی میں یہ تحریک ہو رہی ہے۔ کہ یو۔ پی اور سی۔ پی کی اسمبلیوں میں بل پیش کئے جائیں۔ کہ جن مندروں کو گرا کر مسلمانوں نے مسجدیں بنا لی تھیں۔ انہیں ہندوؤں کو واپس دلایا جائے۔ پنڈت کرشن کانت مالویہ بل کا مسودہ لے کر لکھنؤ روانہ ہو گئے ہیں۔ بھائی پرمانند بھی اسی سلسلہ میں ناگپور جا رہے ہیں۔

— ڈپٹی کمشنر نے آریہ سماج ڈیرہ اسماعیل خاں کو اس کے سالانہ جلسہ پر نگر کیرتن کا جلوس نکالنے کی اجازت نہ دی

— گورنمنٹ سی۔ پی نے میڈیکل ڈیپارٹمنٹ کی چند مخصوص آسامیوں پر عورتوں کو مامور نہ کرنے کا اعلان کیا ہے۔

— لاہور میں ہندو بچوں کے اغوا کی ایک دو ہفتوں میں تین چار وارداتیں ہو چکی ہیں۔ اغوا شدہ بچے سب کے سب ہندو ہیں۔

— پنجاب میں جو ۱۹۱۹ء میں لازمی پرائمری تعلیم کا بل پاس کیا گیا تھا۔ اب جو ترمیم شدہ بل پنجاب اسمبلی میں پیش ہے۔ اس کی رو سے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے پرائمری تعلیم لازمی ہوگی۔ کورس چار سال کی بجائے پانچ سال کا ہوگا۔

— شاردا ایکٹ کے سختی سے نافذ کئے جانے کے لئے ایک ترمیم کا بل سنٹرل اسمبلی میں پیش ہے۔ جس کے متعلق توقع کی جاتی ہے۔ کہ وہ ۳۱ مارچ کو اسمبلی میں پاس ہو جاویگا۔ اس بل کے متعلق سیلیکٹ کمیٹی کی یہ متفقہ خواہش ہے۔ کہ ایکٹ کی دفعات کو اس قدر سخت کر دیا جائے۔ کہ آئندہ بچپن کی شادی کا رواج ہی بند ہو جائے سیلیکٹ کمیٹی نے یہ بھی کوشش کی ہے۔ کہ جو اشخاص قانون کی خلاف ورزی کرنا چاہیں گے۔ ان پر جرمانہ کیا جائے۔ انہیں پہلے ہی نوٹس دے دیا جائیگا۔ کہ وہ مجوزہ شادی سے باز آئیں۔

لاہور ۱۶ مارچ۔ آج سر سکندر حیات خاں نے پنجاب اسمبلی میں اعلان کیا۔ کہ اقلیتوں کے حقوق کے محافظ کی حیثیت سے وہ شہید گنج بل کی حمایت نہیں کر سکتے۔

پانڈی چری ۱۶ مارچ۔ فرانسیسی گورنمنٹ نے سرکاری طور پر اعلان کیا ہے کہ نو آبادیوں پر حملہ کی صورت میں فرانسیسی پبلک کی نو آبادیوں کے عام باشندوں کو جنگ میں شامل ہونے کے لئے کمربستہ رہنا پڑیگا۔

سیلان ۱۶ مارچ۔ ہٹلر نے کہا ہے۔ کہ اٹلی نے جو کچھ کیا ہے۔ میں اسے کبھی نہیں بھولوں گا۔ ہماری دوستی زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ جب کبھی اٹلی کو ضرورت ہوگی۔ ہم اس دوستی اور شکریہ کا ثبوت بہم پہنچائیں گے۔

بنارس ۱۶ مارچ۔ یو۔ پی گورنمنٹ کفایت شعاری کے خیال سے کئی جیلوں کو اڑانے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔

برلن۔ ۱۵ مارچ۔ آسٹریا کی وزارت خارجہ کو جرمن ڈپلومیٹک سروس میں منتقل کر دیا ہے۔ ہر ہٹلر آئندہ کئی دنوں تک وی آنا میں ہی مقیم رہے گا۔ آسٹریا کے سابق چانسلر ڈاکٹر شنیگ کو آسٹریا کی سرحد پر لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔ اسے کسی دوسرے ملک میں چلے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

— بنگال یونیورسٹی نے شہری کا نشان ہٹا کر مسلمانوں سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔

— بابو سبھاش چندر بوس کے بھائی نے پچاس ہزار روپے کی جائیداد کانگرس کو دے دی ہے۔

— یو پی میں ۲۲ مقامات پر ہندو مسلم فساد ہو گیا۔

— پچھلی لڑائی میں جاپان کے ایک لاکھ آدمی مارے گئے۔

— لیڈی لن تھگو کھدر کا لباس پہنکر مرزا غالب کی قبر پر گئیں۔

— فیڈریشن کو روکنے کے لئے کانگرس سول نافرمانی کرے گی۔

— ہندوستان میں ایک دو سال میں ٹڈی دل آنے والا ہے۔

— ۱۷ مارچ۔ ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ جالندھر چھاؤنی کی مسجد کے باہر ایک نوجوان نے ایک مولوی کو چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا۔ حملہ آور کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ حملہ آور کے باپ اور مقتول کے درمیان کسی شرعی مسئلہ پر جھگڑا ہو گیا تھا۔

صدر مجلس احرار ضلع گورداسپور کی عبرتناک موت

اخبار ملاپ ۱۶ مارچ میں یہ خبر شائع ہوئی ہے۔ کہ ۲۷ فروری کا واقعہ ہے۔ کہ بٹالہ کے ایک ہندو رئیس نے چند احباب کو ضیافت پر مدعو کیا۔ جن میں حاجی عبدالغنی صدر مجلس احرار بھی شامل تھے۔ دوران ضیافت میں شراب استعمال کی گئی۔ حاجی صاحب زیادہ پی گئے۔ اور گھر جاتے ہوئے لڑکھڑا کر گر پڑے۔ اور ایک دیوار سے ٹکرانے کے باعث ان کے سر پر سخت چوٹ آئی۔ دوسرے دن یعنی ۲۸ فروری کی سہ پہر کو ان کی موت واقع ہو گئی۔ پولیس میں رپورٹ کر دی گئی۔ کہ مرحوم کو سازش کرکے ہلاک کیا گیا ہے۔ پولیس نے میزبان اور جملہ مہمانوں کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند ارتکاب قتل کے الزام میں پرچہ چاک کر دیا۔ اور لاش کو پوسٹ مارٹم کے لئے بھیجدیا۔ طبی معائنہ سے مرحوم کی انتڑیوں میں شراب اور میتھی پائی گئی۔ جس کی کثرت سے چوٹ لگنے کے باعث موت واقع ہوئی۔ اس واقعہ کے متعلق تازہ ترین خبر یہ ہے۔ کہ پولیس نے ان افراد کو جن پر شبہ کیا گیا تھا۔ عدم ثبوت کی بنا پر رہا کر دیا ہے۔ نہایت شرم کا مقام ہے۔ کہ بے قصور آدمیوں کو پھنسانے کی کوشش کی گئی۔ گویا جس موت کو پُر اسرار حالات کے ماتحت بتایا گیا۔ جس موت کو متوفی کے حقیقی بھائی نے نہ معلوم کس مصلحت کی بنا پر "وحشیانہ و بے رحمانہ قتل کی واردات" اور "کسی گہری اور خوب اچھی طرح تیار کردہ سازش کا نتیجہ" قرار دیا۔ جس کے نتیجے میں "نہایت پر اسرار حالات" کے انکشاف کی توقع ظاہر کی گئی۔ وہ کثرت شراب نوشی کا ایک معمولی واقعہ نکلا۔ یعنی یہ کہ ضلع گورداسپور کی مجلس احرار کے یہ حاجی صدر صاحب دوران ضیافت میں حد سے زیادہ شراب پی گئے۔ جس کے نتیجے میں آخر کار ان کی موت واقع ہو گئی۔ ایک ایسے شخص کے متعلق جو بٹالہ کے مسلمانوں کا سرکردہ ہو۔ حاجی ہو۔ رئیس اعظم ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ آٹھ کروڑ مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت "آل انڈیا مجلس احرار اسلام" کا پراونشل صدر ہو۔ یہ معلوم ہو جانا۔ کہ اس کی موت اس وجہ سے ہوئی۔ کہ وہ حد سے زیادہ شراب پی گیا۔ اس کے عزیزوں دوستوں اور اس مجلس کے لئے انتہا درجہ کی سبکی کا باعث ہے۔ اندریں حالات موت کے اس حقیقی سبب پر ان لوگوں کے پردہ ڈالنے کی یہ کوشش بالکل قدرتی ہے۔

اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں باہتمام مولوی عطاء اللہ خاں مولوی فاضل پرنٹر کے چھپوا کر میر قاسم علی ایڈیٹر و پبلشر نے فاروق منزل قادیان سے شائع کیا ہے